بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ر اگست ۲۰۲۲ء مطابق ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۴ھ | شمارہ نمبر ۵۹

اس شمارے میں

شعروادب عدل وانصاف کی جاں ہیں.....	ڈاکٹر تابش مہدی	۴
اداریہ شیخ سعید حلبی کی روحانی مجلس	شمس الحق ندوی	۵
رحمتِ عالمؐ رسول اکرمؐ مدینہ میں	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
فلاح ونجات جنت ودوزخ والے	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۰
فکر معاصر ہجری سال اوراس کی معنویت	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۴
تاریخ اسلام صحابہؓ دین وشریعت کے پہلے راوی	مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی	۱۷
نقوش تابان حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقام	مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ	۲۰
محاسن اسلام ایمانی اخوت کا مضبوط تر رشتہ	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۲
تذکیروارشاد اسلامی معاشرے کا بنیادی وصف	مولانا محمد طارق نعمان	۲۴
رسید کتب تبصرہ وتعارف	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۶
زبان وادب مفکر اسلام علیہ الرحمہ کا ادبی ماحول اور.....	نجم الثاقب عباسی ندوی	۲۷
یادِ رفتگاں مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسار پوریؒ	فتح محمد ندوی	۳۱
فقہ وفتاویٰ سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے -/75$

ڈرافٹ نمبر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

عدل وانصاف کی جاں ہیں عمر بن خطابؓ

ڈاکٹر تابش مہدی

حق پرستوں کی زباں ہیں ، عمر بن خطابؓ
دینِ احمد کی اذاں ہیں ، عمر بن خطابؓ

صاحبِ سیف و سناں ہیں ، عمر بن خطابؓ
عدل و انصاف کی جاں ہیں ، عمر بن خطابؓ

رہبرِ راہِ براں ہیں ، عمر بن خطابؓ
عظمتِ دیں کا نشاں ہیں ، عمر بن خطابؓ

کفر پر تیغِ فساں ہیں ، عمر بن خطابؓ
قلبِ دشمن پہ سناں ہیں ، عمر بن خطابؓ

کیسے بے نام و نشاں کوئی کرے گا ان کو
قلبِ مومن میں نہاں ہیں ، عمر بن خطابؓ

اہلِ حق کے لیے کہیے انہیں شبنم لیکن
فوجِ باطل پہ گراں ہیں ، عمر بن خطابؓ

دن میں تو تختِ خلافت پہ ہیں جلوہ افروز
رات میں محوِ فغاں ہیں ، عمر بن خطابؓ

جن گلی کوچوں میں جاتے تھے خبر گیری کو
وہ سوالی ہیں : کہاں ہیں ، عمر بن خطابؓ

☆☆☆☆☆

اداریہ

صاحبِ دل شیخ سعید حلبی کی روحانی مجلس

شمس الحق ندوی

شیخ مسجد میں پڑے ہوئے ایک گدے پر بیٹھے پاؤں پھیلائے ہوئے حاضرین کو ایمان ویقین، خدا کی بڑائی وقدرت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمارہے تھے کہ:

''انسان جب سچے دل سے خدا ڈرتا ہے تو دنیا کی ہر شے اس سے ڈرتی ہے، اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا کلمہ "اللہ اکبر" ہر بڑے کو چھوٹا بنا دیتا ہے، ہر قوی کو کمزور و ناتواں بناتا ہے۔ اس لفظ میں عجیب گہرائی، تاثیر و معانی پنہاں ہیں۔ مگر افسوس کہ آج مومن صرف الفاظ کو دوہراتا ہے، معانی کو دل میں نہیں اُتارتا، نہ اعتماد کرتا ہے۔ مسلمان پنج وقتہ نمازوں میں اس لفظ کو ۸۵ر بار پڑھتا ہے، اور زبان سے ادا کرتا ہے کہ دنیا میں خدا سے بڑا کوئی نہیں۔ جس کا خدا سے معاملہ صحیح ہے وہ کسی بھی قوت وطاقت سے نہیں ڈرتا؛ درندے ہوں کہ انسانی طاقتیں یا کہ بیماریاں ومصائب۔ اگر مؤمن ان الفاظ کو کہتے وقت معانی پر غور کرتا اور اعتماد کرتا تو ذلت وبزدلی، کاہلی وکم ہمتی کا اس کے پاس سے گذر نہیں ہوتا''۔

شیخ کا جملہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ: ''اگر اس کو بادشاہ قتل کردے، یا بیماری سے جاں بر نہ ہوسکے تو؟''۔ شیخ نے فرمایا:

''واہ! تم نے خوب کہا۔ کیا مسلمان قتل سے ڈرتا ہے، یا موت کو ناپسند کرتا ہے؟! موت اس لیے مشکل معلوم ہوتی ہے وہ دنیا کی لذات سے رشتہ کاٹ دیتی ہے، دنیا کا نقصان نظر آتا ہے۔ مگر موت کا یہ مفہوم کافر کے لیے ہوتا ہے، جس کا منتہائے نظر صرف دنیا ہے؛ لیکن وہ مؤمن جو جو یہاں آخرت کی لیے تیاری کررہا ہے اور مسافر کی طرح رختِ سفر باندھنے میں لگا ہوا ہے، وہ اس طرح کوچ کا منتظر ہے؛ جیسے مسافر ٹرین کا منتظر ہوتا ہے؛ اس کے پاس جب موت آتی ہے اور اس دنیا سے چلتا ہے تو اس وفورِ شوق کے ساتھ چلتا ہے؛ جیسے پردیس سے آنے والا اپنے اہلِ وعیال اور متعلقین کا مشتاق ہوتا ہے، دوست احباب کا مشتاق ہوتا ہے۔ جس شخص کا یہ معاملہ ہوا وہ موت کو موت نہیں سمجھتا؛ بلکہ نئی زندگی کا مقدمہ تصور کرتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے: ''ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ سب سے بہتر شہادت یہ ہے کہ انسان ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے اور قتل کردیا جائے''۔

اس وقت کا سب سے ظالم بادشاہ اپنے محافظوں کو مسجد کے باہر چھوڑ کر شیخ کی مجلس کے ایک طرف ناک بھوں چڑھائے، غصہ سے بے تاب؛ شیخ کا ایمان ویقین سے بھرا ہوا یہ وعظ سن رہا تھا۔ شیخ نے اس پر ایک نظر ڈالی؛ بالکل اسی طرح جیسے ایک عام آدمی کی طرف دیکھتے ہیں۔ شیخ پر ادنیٰ تاثر نہ ہوا، بادشاہ کے آنے کی حیثیت ان کے نزدیک وہی تھی جو ایک عام آدمی کی ہوتی ہے؛ بادشاہ کھڑا ہے، نہ کوئی استقبال کے لیے اٹھتا ہے، نہ لوگ صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس غریب کو یہ خبر نہ تھی کہ شیخ نے ان کو اس منزل پر پہنچا دیا ہے؛ جہاں سے وہ دنیا کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے انسان جہاز سے زمین کی طرف دیکھتا ہے؛ کہ جہاز سے ہر شے چھوٹی ولاشے نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کو بادشاہ چیونٹی کی طرح نظر آرہا تھا۔ کیا چیونٹی کا بھی کوئی استقبال کرتا ہے؟!!۔

بادشاہ نے مجلس پر نظر دوڑائی، اس کی شیخ پر نظر پڑی تو پاؤں پھیلے ہوئے تھے، اور رخ بادشاہ کی طرف تھا۔ یہاں اس کے کبر اور غرور کو اور ٹھیس لگی، اس نے پھر مجمع پر نظر ڈالی کہ کوئی ہے کہ اس فقیرِ بے نوا کی گستاخی پر تلوار کھینچ لے، اور اس گستاخ پاؤں کو کاٹ کر بادشاہ کا تقرب حاصل کرے۔ بادشاہ جو کچھ دیکھ رہا تھا؛ اپنی مادّی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، ابھی تک اس کو معنوی بصیرت حاصل نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے لاؤلشکر، محل وتخت کے سامنے شیخ کی چٹائی کو ہیچ سمجھ رہا تھا، اور اس زعم میں تھا کہ اس کی تلوار کے سامنے یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی تک اس کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں؛ بالکل ایسے ہی جیسے کسی شیر کی کچھار میں بم پڑا ہو، وہ اس کے پاس سے گذرے اور خاطر میں نہ لائے اور روندتا ہوا آگے بڑھنے کی کوشش کرے، کہ بم پھٹے اور اس کے پرخچے اُڑ جائیں۔ شیخ کی زبان سے بھی بم برسنے شروع ہوئے، فرمایا کہ: ''انسان بھی خدا کی کیسی حیرت انگیز مخلوق ہے، کہ اس کے اندر فرشتہ اور شیطان دونوں کی صفت رکھ دی۔ جو شخص ہوا وہوس

اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے پڑا رہتا ہے، وہ جانور جیسا ہے، جو بلا تمیز کھاتا پیتا اور اپنی خواہشات پوری کرتا ہے۔ جو شخص حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا، نہ گناہ و پاپ کا خیال رکھتا ہے، وہ شیطان ہے۔ اس سے بہتر تو بچھو اور نجاست کھانے والا کیڑا ہے کہ یہ تو مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور یہ انسان جہنم میں جائے گا۔ حقیقی معنوں انسان وہ ہے جو دنیا میں مدرسہ کے طالب علم کی طرح زندگی گذارتا ہے، جہاں زندگی گذارنے کا طور وطریق سکھائے جاتے ہیں۔ خدا کی قدرت عجیب وغریب ہے کہ اس نے انسان کا اندر ایک ایسا فرشتہ رکھ دیا جو گمراہی و بے راہ روی کے وقت اس کو متنبہ کرتا اور راہِ راست پر لاتا ہے، یہی ملکوتی صفت، واعظ کے وعظ کا اثر قبول کرتی ہے۔ شاعر کے شعر کا یہی مفہوم ہے:

''نفسِ انسانی گمراہی و بے راہ روی سے اس وقت تک باز نہیں آسکتا جب تک کہ وخود اس کے اندر متنبہ کرنے والی قوتِ صلاحیت (ملکوتی صفت) نہ موجود ہو۔

یہی جنت میں اس کا صلہ ہے۔ جنت محض خواہش وتمنا سے حاصل نہیں ہوسکتی، اس کے لیے محنت، کدوکاوش اور عمل درکار ہے۔ جو طالب علم اپنا وقت کھیل تماشوں میں ضائع کرے اور امتحان میں کامیابی کا آرزومند ہو تو کیا محض آرزو سے کامیاب ہوسکتا ہے۔ جو شکاری اپنی بندوق پھینک دے، چلائے نہیں، جال کو ڈال دے، لگائے اور بچھائے نہیں، پھر وہ شکار کا آرزومند ہو تو کیا ممکن ہے کہ محض اس کی تمنا ہرن کو پکڑ کر اس تک پہنچادے، یا مچھلی خود نمک مرچ لیے ہوئے آئے کہ لو، بھونو اور کھاؤ!''۔

ایک شخص نے کہا: دل سخت ہوگئے ہیں، اس کا کیا علاج ہے؟۔ شیخ نے فرمایا:

''شیطان کا داؤں اس وقت چلتا ہے جب وہ انسان کو یہ باور کرادیتا ہے کہ وہ درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ لہٰذا تم اپنے کو ناقص ہی تصور کرو!۔ صحت ومرض، رنج وخوشی، ہر حال میں ذکرِ خداوندی میں مصروف رہو! ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب ان کے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کے ازالہ کی فکر کرتے ہیں، وہ اسپتال جاکر یا قبرستان پہونچ کر نفس کو مرض وموت کا خوف دلاتے ہیں۔ مؤمن جب تک خوف ورجا کی کیفیت میں رہتا ہے، اور اگر خوف ورجا کی کیفیت اس میں سے ختم ہوجاتی ہے تو وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ بعض بزرگوں سے سُنا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ چراغ کی لو کے پاس لے جاتے اور نفس سے مخاطب ہوکر کہتے کہ تم اس کو نہیں برداشت کرسکتے تو جہنم کے عذاب کو کیسے برداشت کروگے؟۔ مؤمن کے دل میں جب برائی کا جذبہ یا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کو جنت کی نہروں سے بجھادیتا ہے، یا جہنم کی آگ سے جلا کر نجات حاصل کرتا ہے۔ اگر عقل ودانش نہ ہو تو انسان کی حیثیت ہی کیا!۔ اس کے بغیر انسان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے وجود کی ابتدا ایک ناپاک قطرہ سے ہوئی اور انتہا ایک نہایت متعفن اور بدبودار لاشہ ہوگا۔ بادشاہی کا ایک نشہ ہوتا ہے۔ جس شخص کو اس کی حکومت اور لوگوں پر غلبہ اسے نشہ میں ڈال دے تو وہ خدا کے سامنے اپنی ذلت ورسوائی اور اصل حقیقت کی کیا یاد کرے گا۔ خداوندِ عالم نے نمرود جیسے متکبر وجابر بادشاہ کو مچھر جیسی کمزور مخلوق سے ہلاک کیا۔ اس پتلۂ خاکی کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس کا انجام بھی مٹی ہی ہوگا''۔

شیخ کی گفتگو کے درمیان بادشاہ ایسا محسوس کررہا تھا کہ وہ صندوق میں بند ہے، پھر جب اُسے تنبہ ہوا اور آنکھیں کھلیں تو اس نے ایسا محسوس کیا کہ تر وتازہ ہوؤں کے جھونکے عطر پاشی کررہے ہیں، وہ سخت تاریکی میں تھا کہ شیخ بصفتِ آفتاب اس پر روشن ہوئے، اس کا اپنا وجود اپنی نگاہوں میں ہیچ نظر آنے لگا، وہ دو زانو بیٹھ گیا، اور اب اپنے کو مجلس کے ہر فرد سے کمتر اور کم مایہ سمجھنے لگ کہ انھیں شیخ سے زیادہ قرب حاصل تھا۔ اب شیخ کے پھیلے ہوئے پاؤں تیر بن کر اس کی نگاہوں میں چبھ نہیں رہے تھے؛ بلکہ اب تو اپنے کو ڈوبتا ہوا اور شیخ کے پاؤں کو سہارا تصور کررہا تھا۔ اب شیخ اس کی نگاہوں میں بالکل بدل گئے۔ اب اُسے شیخ کی ذات میں حقیقتِ انسانیت نظر آرہی تھی۔

جب بادشاہ یہاں سے واپس ہوا تو شیخ کو ایک تھیلی بھیجی؛ جس میں خالص سونے کے ایک ہزار دینار تھے۔ جب قاصد نے تھیلی شیخ کے سامنے پیش کی تو شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ: ''اپنے آقا کو میرا اسلام کہو، اور کہو کہ جو شخص پاؤں پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا''۔

☆☆☆☆☆

رحمتِ عالمؐ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مدینہ نے رسول اللہ کا استقبال کس طرح کیا؟

انصار کو یہ اطلاع ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مکہ سے روانہ ہوچکے ہیں، چنانچہ انھوں نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد شہر کے آخری کنارہ پر پہونچ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار شروع کردیتے ،اور اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹتے جب تک کہ دھوپ بہت تیز اور ناقابل برداشت نہ ہوجاتی اور وہ سائے کی پناہ لینے پر مجبور ہوتے،اس وقت وہ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے، یہ گرمی کا موسم اور سخت تپش کا زمانہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ تشریف لائے اس وقت انصار انتظار کے بعد اپنے گھروں میں جاچکے تھے،سب سے پہلے آپؐ پر ایک یہودی کی نظر پڑی، یہودی، انصار کو روز یہ سب کرتے دیکھتے تھے، آپ کو دیکھ کر اس نے بہت زور سے آواز لگائی، اور انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع دی، وہ سب یہ سنتے ہی نکل پڑے اور دیکھا کہ حضورؐ ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں، اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ ہیں جو آپ ہی کے ہم عمر معلوم ہورہے تھے، ان میں سے اکثر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے پہلے زیارت نہیں کی تھی، اس لیے ان لوگوں نے اپنے ذوق وشوق میں دونوں کو گھیر لیا اور ہجوم بڑھنے لگا، حضرت ابوبکرؓ نے یہ محسوس کرلیا کہ لوگ یہ نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ ان میں مخدوم کون ہے، اور خادم کون؟ چنانچہ انھوں نے ایک چادر لے کر حضورؐ کے سر پر سایہ کرلیا، اور اس سے یہ شبہ زائل ہوگیا۔

تقریباً پانچ سو انصاریوں نے اس مبارک قافلہ کا استقبال کیا اور آخر میں ادب کے ساتھ عرض کیا: حضور! تشریف لے چلیں، آپ ہر طرح مامون ومحفوظ ہیں، اور آپ کی ہر بات میں اطاعت کی جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق سفر اس قافلہ کے جلو میں روانہ ہوئے، اور ادھر سارا مدینہ آپؐ کے استقبال اور خوش آمدید کے لیے نکل کھڑا ہوا، خواتین کوٹھوں کی چھتوں سے نئے قافلے کو دیکھ رہی تھیں اور ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ دیکھو، ان میں حضور کون ہیں؟ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے کبھی ایسا نظارہ نہیں دیکھا۔

لوگ راستوں اور گزرگاہوں پر اور مکانوں کی چھتوں، کھڑکیوں اور دروازوں پر جمع ہوگئے تھے، لڑکے اور نوکر خدمت گار ہر طرف کہتے تھے: اللّٰہ أکبر جاء رسول اللّٰہ، اللّٰہ أکبر جاء محمد، اللّٰہ أکبر جاء محمد، اللّٰہ أکبر جاء رسول اللّٰہ (اللہ اکبر! رسول اللہ تشریف لے آئے، اللہ اکبر! محمد تشریف لائے، اللہ اکبر! رسول اللہ تشریف لے آئے)۔

براء بن عازبؓ جو اس وقت کم سن تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی آمد سے لونڈیاں تک پکارتی پھر رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

مسلمانوں نے آپ کی آمد سے خوش ہوکر جوش ومسرّت کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اس سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی مسرّت نہ ہوسکتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ اس وقت مسکرا اور فخر ومسرت سے اٹھلا رہا ہو، انصار کی بچیاں بڑے سرور ومستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھتی تھیں:

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
مادعا للّٰہ داع
أیھا المبعوث فینا
جئت بالأمر المطاع

۱- پہاڑے کے اس موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کیے جاتے ہیں، آج چودھویں کا چاند نکل آیا ہے۔۲- جب تک دنیا میں اللہ کا نام لینے والا بھی رہے گا، ہم پر شکر ادا کرنا واجب رہے گا۔۳- اے وہ ذات پاک جس کو ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے آپ واجب الاطاعت حکم لے کر آئے ہیں۔

انس ابن مالکؓ انصاری جو اس وقت کم عمر تھے، کہتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مدینہ تشریف لائے ہیں، میں حاضر تھا، واقعہ یہ ہے کہ میں نے کوئی دن اس سے زیادہ حسین اور روشن نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہمارے ہاں (مدینہ) تشریف لائے۔

مسجد قباء اور مدینہ کا پہلا جمعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'قباء' میں چار روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جمعہ کے

روز آپ وہاں سے آگے روانہ ہوئے، جمعہ بنی سالم بن عوف کی برادری میں پڑا، چنانچہ جمعہ کی نماز آپ نے ان ہی کی مسجد میں ادا کی، جمعہ کی یہ پہلی نماز تھی، جو آپ نے مدینہ میں پڑھی۔

ابوایوب انصاری کے گھر میں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے گذرے تو راستوں میں جماعتیں بنا بنا کر لوگوں نے آپ سے اس کی درخواست کی کہ آپ ان کے ہاں قیام فرمائیں، وہ کہتے تھے: آپ ہمارے ہاں اقامت فرمائیں ،تعداد، سامان، اور عزمت و شوکت کے ساتھ کبھی کبھی لوگ آپ کی اونٹنی کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لیتے، آپ فرماتے کہ اس کو جانے دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، ایسا کئی بار ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النجار کے محلّہ سے گزرے تو بچیوں اور باندیوں نے ان اشعار سے آپ کا استقبال کیا:

نحن جوارٍ من بنی النجار
یا حبّذا محمد من جار

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔اے خوشا بخت کہ محمد آج ہمارے پڑوسی ہیں)۔

جب آپؐ بنی مالک النجار کے گھر تک پہونچے تو اونٹنی ایک جگہ پر جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے، خود بخود ٹھہر گئی، اس وقت اس جگہ کھجور کا ایک کھلیان تھا، جو بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھا، اور وہ آپؐ کے ننہالی رشتہ دار بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے اترے، ابوایوب انصاریؓ (خالد بن زید النجاری الخزرجی) نے فوراً آپ کا سامان اتروایا اور اٹھا کر لے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا، ابوایوب انصاریؓ نے آپؐ کی میزبانی، ضیافت، خاطر مدارات اور ادب و تعظیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، بالائی منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہو کر رہنا ان کو گوارا نہ ہوا، وہ نیچے آ گئے، اور حضورؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اوپر تشریف رکھیں، وہ اور ان کے گھر والے نیچے رہیں گے، آپؐ نے ارشاد فرمایا، ابوایوب! ہم کو اور ہمارے ملنے والوں کو اسی میں زیادہ راحت ہوگی کہ ہم نیچے رہیں۔

ابوایوب انصاریؓ کچھ خوش حال لوگوں میں نہ تھے، لیکن آج اپنے گھر میں آپؐ کے قیام سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، اور اس سرفرازی اور عزت (جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھی) کے شکر ادا کرنے سے ان کی زبان قاصر تھی، محبت، خدمت و راحت رسانی کے آداب خود سکھا دیتی ہے، ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رات کا کھانا تیار کر کے بھیجتے، اگر آپ کا پس خوردہ واپس آتا تو میں اور ام ایوبؓ اس طرف سے جہاں سے آپؐ نے کھایا ہوتا بچا ہوا کھاتے اور برکت حاصل کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے کی منزل میں تشریف رکھتے تھے اور ہم لوگ اوپر تھے، ایک مرتبہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے ٹوٹ گیا، میں نے اور ام ایوبؓ نے اپنی چادر سے، جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کی کوئی چیز نہ تھی، اس پانی کو خشک کیا کہ کہیں خدانخواستہ نیچے نہ ٹپکنے لگے اور آپؐ کو تکلیف ہو۔

مسجد نبوی او رمکانات کی تعمیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو لڑکوں کو جو اس کھلیان کے مالک تھے، بلا بھیجا اور ان سے یہ جگہ مسجد کی تعمیر کے لئے خریدنا چاہی، دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح قبول نہ فرمایا، اور کسی نہ کسی طرح قیمت دے کر یہ قطعۂ زمین حاصل کیا اور وہاں مسجد کی تعمیر کی۔

آپؐ نے مسجد کی تعمیر میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی، آپؐ اینٹیں یہاں پہونچاتے تھے، اور مسلمان آپؐ کی پیروی کرتے تھے، اس موقع پر آپ یہ ارشاد فرماتے تھے:

اللّٰھم إن الأجر أجر الآخرۃ
فارحم الأنصار والمھاجرۃ

(اے اللہ اصل اجرت تو آخرت کی اجرت ہے، پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما)۔

مسلمان اس وقت بہت مسرور اور شادماں تھے، شوقیہ اشعار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں سات ماہ قیام فرمایا، جب آپ کی مسجد اور رہائشی مکانات تعمیر ہو گئے، تو آپؐ وہاں سے یہاں منتقل ہو گئے۔

مہاجرین آپؐ کے بعد مسلسل مدینہ آتے رہے، یہاں تک کہ مکہ میں صرف دو ہی قسم کے آدمی بچے، یا تو وہ جو کسی فتنہ اور آزمائش میں پڑ گئے، یا وہ جو دشمنوں کی قید میں تھے، اور وہاں سے رہائی کی کوئی سبیل نہ تھی، دوسری طرف انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔

مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد اس کے نام میں بھی تبدیلی ہوئی، آپ نے یثرب کے بجائے (جس کے معنی مذموم ہیں اور اس سے مذمت اور خوف کا ایک پہلو نکلتا ہے) اس مبارک شہر کا نام 'مدینہ' رکھ دیا، اور فرمایا کہ یہ 'طابہ' ہے، اس وقت سے اس کا نام مدینہ یا طیبہ پڑ گیا۔

مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ کا معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار میں ایک دوسرے کی غمخواری اور ہمدردی واعانت کی

بنیاد پر بھائی چارہ اور مواخات کا ایک معاہدہ بھی کرایا، انصار مہاجرین کے ساتھ بھائی چارہ کے لیے اس طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے کہ قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی تھی، وہ مہاجرین کو اپنے مکانات، گھر کے اثاثہ، مال و دولت، زمین جائداد ہر چیز میں اختیار وتصرف دے دیتے تھے، اوران کو اپنے پر مقدم رکھتے تھے۔

ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا، دیکھو میرا نصف مال جتنا ہوتا ہو تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تم کو پسند آئے بتاؤ میں اس کو طلاق دے کر تمہارے حوالہ کردوں، مہاجر جواب دیتا، اللہ تعالیٰ تمہارے گھر والوں اور مال و اسباب میں برکت عطا کرے، تم مجھے بس بازار کا راستہ بتادو (ہم قسمت آزمائی کرلیں گے)۔ انصار کا کام ایثار تھا، مہاجرین کا استغناء اور خودداری۔

مواخاۃ اور اس کی اہمیت

یہ مواخاۃ (بھائی چارہ) اپنی نوعیت کی منفرد اسلامی وعالمی اخوت کی اساس ایک صاحب دعوت امت کے قیام کا مقدمہ تھی، جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لیے برپا ہورہی تھی، اور جو صحیح ومعین عقائد اور دنیا کو بدبختی وبدنظمی سے نجات دینے والے نیک مقاصد اور ایمان ومعنوی اخوت اور متحدہ سرگرمی کے تعلقات کے لیے قائم ہورہی تھی، اس طرح مہاجرین وانصار کے درمیان یہ محدود اخوت دنیائے انسانیت کی نئی زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے شہر کی ایک چھوٹی سی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ"[سورة الأنفال :٧٣] (گر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا)۔

☆☆☆☆☆

انسانی برادری سے حسن سلوک

علامہ سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مستدرک حاکم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ: ''تم زمین والوں پر رحم کروتو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا'' یہ حدیث رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی شان رحمت کو کتنی عمومیت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے، ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ: ''جو مسلمان کوئی درخت لگائے گا اس سے جو انسان یا پرندہ بھی کچھ کھائے گا، اس کا ثواب اس لگانے والے کو ملے گا''، اس فیض کے عموم میں انسانیت کی قید بھی نہیں ہے۔ ایک دفعہ آپؐ نے ایک شخص کا قصہ بیان کیا جس نے ایک جانور کے ساتھ نیک سلوک کیا تھا کہ اس کے اس کام پر ثواب ملا، صحابہؓ نے پوچھا اے خدا کے رسولؐ! کیا جانوروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے، فرمایا: ہر تر جگر کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں ثواب ہے، یعنی ہر اس ہستی کے ساتھ جس میں زندگی کی تری ہے، نیک سلوک کرنے میں ثواب ہے، اس ثواب کے دائرہ میں ہر وہ ہستی شریک ہے جو زندگی سے بہرہ ور ہے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے ارشاد فرمایا: ''جہاں بھی ہو خدا کا خیال رکھو، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ''، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتیں گنائیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ " و أحب للناس ما تُحب لنفسك" یعنی تم لوگوں کے لیے بھی وہی چاہو جو تم خود اپنے لیے چاہتے ہو، تو مسلمان بن جاؤ گے۔

" الناس " کا لفظ عام ہے، جس میں تمام انسان داخل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب تک سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ دل میں نہ ہو، انسان پورا مسلمان نہیں بنتا، کیونکہ دوسروں کے لیے وہی چاہنا جو اپنے لیے چاہو، اخلاق کی وہ تعلیم ہے جو انسانی برادری کے ہر قسم کے حقوق کی بنیاد ہے، ایک اور حدیث میں یہ تعلیم ان لفظوں میں ہے کہ: ''تم اپنے بھائی کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو'' بھائی کے لفظ سے مسلمان بھی مراد ہوسکتا ہے، اور ایک عام انسان بھی، توریت اور انجیل کے اندر یہی تعلیم ان لفظوں میں ہے کہ: ''تم اپنے پڑوسی کو ایسا چاہو جیسا کہ تم اپنے آپ کو چاہتے ہو''۔

اسلام کا یہ عام فیصلہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے عام صدقے غیر مسلموں کو دیے جاسکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو ۳۰ ہزار کی مالیت کا صدقہ دیا، امام مجاہدؒ نے مشرک رشتہ داروں کا قرض معاف کرنے کو ثواب کا کام بتایا، ابن جریج محدث کہتے ہیں کہ قرآن نے 'اسیر' کے کھلانے کو ثواب بتایا ہے، اور ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے قبضہ میں مشرک ہی قید ہوکر آتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعضوں کو ان کے مشرک والدین کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت دی۔

☆☆☆

فلاح ونجات

جنت ودوزخ والے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

"جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ، وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ، اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ، وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ، الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ، الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ" [الرعد: ۲۳-۲۹] (ہمیشہ رہنے کے لیے باغات ہیں وہ (خود بھی) اس میں داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویاں اور ان کی اولادوں میں جو بھی (اس کے) لائق ہوئے وہ بھی، اور ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس (کہتے) آئیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، یہ نتیجہ ہے تمہاری ثابت قدمی کا، بس آخرت کا گھر کیا خوب ہے اور جو عہد مضبوط کر کے اس کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جس کو جوڑنے کا حکم کیا اس کو توڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں ایسوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بدترین گھر ہے، اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور وہ دنیا کی زندگی ہی میں مست ہو گئے جبکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کے آگے معمولی سامان سے زیادہ کچھ نہیں اور کافر کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری، کہہ دیجیے اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اس کو وہ راہ دیتا ہے جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن ہیں، یاد رکھنا اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے جنھوں نے مانا اور نیک کام کیے ان کے مزے ہی مزے ہیں اور بہتر انجام ہے)۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ دو قسم کے لوگوں کے درمیان موازنہ فرما رہا ہے کہ ان کا نتیجہ کیا ہوگا، ایک وہ جو اس کے فرمان کو تسلیم کرتے ہیں، اس کے شکر گزار ہوتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں، اپنی زندگی کو اس کے احکام کے مطابق بناتے ہیں، اور ایک وہ جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔

دنیا اور آخرت دونوں کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ دنیا کی حقیقت، آخرت کے مقابلہ میں ایک چٹخارے سے زیادہ نہیں ہے، جیسے انسان کو کوئی مزے کی چیز کی چکھنے کو مل جائے، یا کوئی اچھی چیز چاٹ لے تو اس کو تھوڑی دیر کے لیے مزا آتا ہے حالانکہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں ایسا مزا ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کو اس سے کچھ مل جائے۔

عام طور پر دنیا کی زندگی کو لوگ سب کچھ سمجھ کر یہ سوچتے ہیں کہ ہم کو یہاں سب کچھ حاصل ہو جائے گا، حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حیثیت کچھ بھی مفید نہیں ہے، البتہ مفید اس وقت ہے جب اس میں اعمال صالحہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا کی زندگی امتحان کے لیے دی ہے تاکہ انسانوں کو آزمائے کہ وہ آخرت میں کامیاب ہونے کے قابل ہیں یا نہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی غلطی کی بناء پر جنت سے دنیا میں بھیجا گویا کہ یہ تنبیہ تھی، انہوں نے توبہ کی اور توبہ کو اللہ نے قبول کیا، توبہ کے الفاظ اللہ ہی کے بتائے ہوئے تھے، لیکن یہ کہا کہ ہم تم کو اب زمین پر بھیجتے ہیں تاکہ تمہاری نسل کا اندازہ ہو سکے کہ وہ فرمانبردار ہے یا نافرمان ہے، اگر فرمانبردار ہے تو جنت میں اس کو واپسی مل جائے گی۔

'جنت' کے معنی عربی میں 'گھنے باغ' کے ہیں، جو چاروں طرف سے سبزے اور درختوں سے گھرا ہوا ہو، اس باغ کو "جنت" کہتے ہیں اور چونکہ آخرت میں آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام حاصل ہوگا، اس لیے اس کو 'جنت' کے نام سے ادا فرمایا گیا ہے، یعنی جنت میں، گھنے باغ میں، سایہ دار باغ میں، جس میں نہریں جاری ہوں، جس میں ہر طرح کے میوے اور پھل ہوں، ہر طرح کی راحت اور لطف کے مواقع ہوں، وہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے لیے مہیا کیا ہے۔

آخرت کی تعریف

'آخرت' ایک سپاٹ زمین کی طرح ہے کہ اس میں کچھ نہیں اگتا، نہ ہی کچھ پیدا ہوتا ہے، اس میں جو بھی چیز پیدا ہوتی ہے وہ دنیا کے اعمال ہی سے پیدا ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ دنیا میں اللہ کی

رضا کے لیے بعض ایسے اعمال ہیں کہ ان کے کرنے سے وہاں باغ لگ جائے گا، بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کے کرنے سے وہاں گھر بن جائے گا، بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کے کرنے سے وہاں نہریں جاری ہوجائیں گی، یعنی آدمی دنیا کی زندگی میں اپنے لیے جو راحت کا سامان کرتا ہے، جیسے: باغ لگاتا ہے، مکان بناتا ہے، اور دوسری سہولت کے سامان کرتا ہے، گویا یہ سب وہاں جنت میں موجود ہوں گے، لیکن فرق یہ ہے کہ دنیا میں ہم جو کرتے ہیں اس کا فائدہ بھی ہم کو یہیں حاصل ہوجاتا ہے، اور جنت و آخرت کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ہم دنیا میں کچھ اعمال کریں گے تب وہاں اس کا فائدہ ہوگا، ہم یہاں ایک عمل کررہے ہیں گویا وہاں اپنا مکان بنارہے ہیں، ایک عمل کررہے ہیں گویا وہاں اپنے لیے باغ لگوا رہے ہیں، ایک عمل کررہے ہیں وہاں اپنے لیے مختلف فائدے اور مختلف راحتوں کے سامان کررہے ہیں، گویا یہاں عمل کرنے سے وہاں آدمی کی جنت بنتی رہتی ہے، لیکن جو یہاں اپنی جنت نہ بناسکے تو وہاں اس کو کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہاں نہ سایہ ہے، نہ ہی موسم کا اعتدال، اس دنیا کی زندگی میں جو ہم موسم کے اعتدال دیکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم کی وجہ سے ہیں، یعنی کتنی گرمی پڑنی چاہیے، کتنی سردی پڑنی چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی برداشت کے مطابق دنیا میں کر رکھا ہے، اسی لیے سب جانتے ہیں کہ اتنی ڈگری گرمی ہوتی ہے، اتنی ڈگری سردی ہوتی ہے، گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہے کہ انسان جتنی ڈگری میں زندگی گزار سکتا ہے، اسی حساب سے موسم کو فٹ کردیا ہے، غرض کہ ہم دنیا میں جو کچھ فائدہ اٹھا رہے ہیں یہ خود ہماری اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کیا ہوا ہے، پانی ہم کو جو ملتا ہے یہ ہم خود نہیں بناتے، اور نہ کہیں سے لاسکتے ہیں، بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ سمندروں سے بادلوں کے ذریعہ سے بھیجتا ہے، اور فرشتے لے کر آتے ہیں، اور وہاں وہاں برساتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اور پھر اس سے سارے انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے، ان کو بھی جو اللہ کے منکر اور کافر ہیں، اور مسلمانوں کو بھی جو ایمان والے ہیں، البتہ آخرت میں اس نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہاں صرف انہی لوگوں کو سب کچھ ملے گا جو فرمانبردار ہیں، اور دنیا میں فرمانبرداری کر کے گئے ہیں، جنہوں نے دنیا میں اللہ کا شکر ادا کیا ہے، اور تکلیفوں پر صبر کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے لیے وہاں وہ مہیا کرے گا، جو انسان کی ضرورت ہے، اسی لیے آتا ہے کہ انسان جو چاہے گا وہاں اس کو مل جائے گا، اور اس طرح ملے گا کہ وہاں کچھ محنت بھی نہیں کرنی پڑے گی، یہاں تو ہم ہاتھ بڑھا کر چیز کو اٹھاتے ہیں، وہاں ہم کو یہ بھی نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ اگر ہماری خواہش ہوگی کہ ہم کو فلاں چیز ملے، تو فوراً وہ چیز ہم تک پہنچ جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہاں کا نظام ہی ایسا بنایا ہے، لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا سے اعمال صالحہ اور فرمانبرداری کے ساتھ رخصت ہوں، اور جو لوگ یہاں سے عمل کر کے نہیں جائیں گے ان کو وہاں وہ چیز نہیں ملے گی، وہاں ان کو نہ موسم کا اعتدال ملے گا، نہ ان کو راحت کا کوئی اور سامان ملے گا، وہاں ایسی تپش، ایسی گرمی، ایسی تیز آگ ہوگی، جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اس عالم کی آگ تو بہت معمولی آگ ہے، لیکن اس عالم کی آگ بڑی سخت آگ ہوگی، اس لیے وہاں اگر کوئی شخص ایسی کوئی چیز لے کر نہیں گیا ہے جس سے وہاں اس کو راحت ملے تو پھر اس کو وہاں کی جو مصیبتیں ہیں اور تکلیفیں ہیں، وہاں کی جو آگ ہے، وہاں کے جو انگارے ہیں اور وہاں کے جو کڑوے پھل ہیں وہی ملیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس مصیبت سے محفوظ رہیں، یہ وہ عالم ہے جس سے آپ کسی بھی صحراء میں چلے جائیں تو وہاں آپ کو سوائے گرمی و دھوپ اور پریشانی کے کچھ بھی نہیں ملے گا، اور اگر آپ سمندر میں چلے جائیں تو وہاں پانی ہی پانی ملے گا، نہ آپ کو کھانے کے لیے کچھ ملے گا، نہ پینے کے لیے کچھ ملے گا، سوائے اس کے جو آپ لے کر جائیں، اسی طرح جب آدمی دنیا سے جاتا ہے تو جو کچھ اس نے تیاری کی ہوتی ہے وہ لے کر جاتا ہے، یعنی اس کے ساتھ صرف اس کے اعمال جاتے ہیں بقیہ اور کوئی چیز نہیں جاتی۔

'آخرت' بالکل چٹیل میدان کی طرح ہے، وہاں موسم بھی نہیں کہ قابل برداشت ہو، بلکہ سخت گرمی، تپش اور لو ہوگی، اس وقت جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو سخت پریشانی میں ہوں گے اور بے چین ہوں گے کہ کسی طریقہ سے ہمارا حساب و کتاب ہوجائے، اور ہم جلدی سے اس مصیبت سے نجات پاجائیں، جس مصیبت میں ہم کھڑے ہیں، کہ شدید موسم ہے اور کوئی سہارا نہیں، لیکن یہ بھی فکر ہوگی کہ حساب و کتاب ہوجائے اور حساب و کتاب اچھا بھی نکلے، کیونکہ اگر حساب اچھا نہیں نکلا، تو اس سے زیادہ سخت مصیبت میں پڑنا پڑے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہو، حالانکہ تمہاری یہ چند سال کی راحت، وہاں کے

مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جیسے کئی سالوں کے مقابلہ میں ایک منٹ کا وقت ہوتا ہے، اسی طرح دنیا کی زندگی ہے، جس کا اندازہ انسان کو تب ہوگا جب وہاں پہنچے گا، کیونکہ اس وقت انسان کو ہمیشہ ہمیش کی زندگی کے سامنے دنیا میں گزارے ہوئے چند سال بہت ہیچ معلوم ہوں گے، جس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں گزرا ہوا زمانہ بہت مختصر معلوم ہوتا ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ ابھی چند دن کی بات ہے جب یوں ہوا تھا، اسی لیے وہاں دنیا کی زندگی اور حقیر معلوم ہوگی، لیکن جب وہاں کچھ نہیں ملے گا تو آدمی کے پاس بے چینی اور افسوس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تم کو دنیا میں بہت سمجھایا تھا، نبی بھیجے تھے، کتاب اتاری تھی، اور تمہارے لیے سمجھنے کی ہم نے بہت تدبیریں کردی تھیں، لیکن تم نے خود سمجھنے کی کوشش نہیں کی، تم نے اس کو مذاق سمجھا، تم نے سمجھا کہ جو کچھ کہا جارہا ہے یہ یوں ہی تفریح ہے، حالانکہ تفریح نہیں تھی، ہم نے تم کو بار بار متوجہ کیا تھا کہ جہنم کی آگ سے تم کو بچنا ہے، اگر اس سے بچنے کی کوشش نہ کروگے تو پھر تم کچھ نہیں کرسکتے، تم آخرت کی مصیبت سے اپنے کو بچاؤ، وہی سخت مصیبت ہے، تم دنیا کی راحت میں اس بات کو نہ بھول جاؤ کہ ایک عالی زندگی سامنے آنے والی ہے، وہاں کا آرام اصل آرام ہے، وہیں کی تکلیف اصل تکلیف ہے، اس کی فکر زیادہ کرو، تم اپنے ایک دو روز کے آرام کے لیے اس کو قربان نہ کردو۔

دنیا کی زندگی

دنیا میں آخرت کے لیے تکلیف اٹھانے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بچپن میں آدمی کو تعلیم کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، کام سیکھنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے کی تیس چالیس سال والی عمر آرام سے گزرے، اسی کے لیے آدمی بچپن میں چند سال تک تکلیف اٹھاتا ہے، لڑکوں کو محنت کرائی جاتی ہے، اور ان کو مشقت ہوتی ہے، تاکہ ہمارے یہ چند سال تکلیف سے گزارنے کے بعد ہمارے بقیہ چالیس پچاس سال آرام سے گزر جائیں، لیکن دنیا میں ہمارے ان چالیس پچاس سال کے آرام کا آخرت میں لاکھوں، کروروں سال کے آرام سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک چٹخارے سے زیادہ نہیں ہے، جس چٹخارے میں تم مبتلا ہو، لیکن تم ہماری باتوں کو مان نہیں رہے ہو، حالانکہ ہم نے تمہارے لیے کتنے انتظامات کئے، تمہارے لیے پانی مہیا کیا، تمہارے لیے کھانے کی جو اشیاء چاہئیں وہ ہم نے زمین میں رکھیں، جن کو تم نکالتے ہو اور استعمال کرتے ہو، اور تمہاری ہر ضرورت کو ہم پورا کرتے ہیں تاکہ تم اچھے اعمال کرسکو اور جنت کے مستحق ہوسکو۔

منکرین کا قول اور اس کی تردید

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور ان کی باتوں کو ماننے سے گریز کرتے ہیں، قرآن کریم میں ان کے قول کو نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف سے کوئی علامت لے کر کیوں نہیں آئے؟ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی معجزہ لانا چاہیے تھا، آپ کوئی ایسی چیز دکھاتے جس سے معلوم ہوتا کہ آپ رب کی طرف سے آئے ہیں، چنانچہ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اس سے پہلے بھی ہم معجزات بھیجتے رہے ہیں لیکن ان لوگوں نے ہمیشہ معجزات کا انکار کیا ہے، اور یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے کہ ہم ان کے ہر مطالبہ کو پورا کریں، جب کہ خود ان کو حقیقت معلوم ہے، لیکن صرف ضد میں یہ لوگ ایسا کہہ رہے ہیں، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی پرانی روایت سے ہٹنا نہیں چاہتے، ان کا کہنا ہے کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے چلے آرہے ہیں لہٰذا ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے، حالانکہ یہ ایسی غیر معقول بات ہے جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی کے باپ دادا کوئی غلط کام کررہے تھے تو کیا وہ بھی وہی غلط کام کرے گا؟؟ ہرگز نہیں۔

فرمانِ الٰہی

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہلوادیا کہ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ رکھتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور ہدایت اسی کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے، جس میں جذبہ ہو، جو چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو، لیکن ان لوگوں کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے، جو ہٹ دھرمی کررہے ہوں، جو محض ضد میں انکار کررہے ہوں، ان کو ہدایت دینے کا کوئی سوال نہیں ہے، گویا اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، خواہ وہ گمراہ رہیں اور آخرت میں تباہ و برباد ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ وہ دھاندلی پر اتر آئے ہیں، جس کا کوئی علاج نہیں، البتہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، جس میں انابت ہوتی ہے، جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو اور ہمارے اعمال اچھے ہوں تاکہ ہماری آخرت کامیاب ہو، تو اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کیا گیا

کہ آپ ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں، یہ تو ان کی پرانی حرکتیں ہیں، یہ لوگ اپنے نبیوں کے ساتھ ہمیشہ یہی کرتے رہے ہیں، کہ ان سے معجزہ مانگتے ہیں پھر معجزہ کا انکار بھی کرتے ہیں، قوم ثمود نے اونٹنی کا معجزہ مانگا تھا، تو اللہ نے پہاڑ کے اندر سے اونٹنی نکال کے دکھادی، اور کہا کہ یہ اونٹنی جو ہم نے پیدا کردی اس کا تمہیں خیال رکھنا پڑے گا، یہ پانی پیئے گی اور کھائے گی، لہٰذا اس میں تم لوگ رکاوٹ نہ ڈالنا، کیونکہ اگر تم نے اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالی یعنی اس کا پانی وغیرہ روکا تو پھر ہم بہت سخت سزا دیں گے، لیکن انہوں نے خدا کی اس بات کو نہیں مانا، اور جب اونٹنی پانی پینے لگی تو ان کے پانی میں گویا کہ کمی ہوگئی اس لیے انہوں نے آدمی مقرر کرکے پیسے دے کر اس سے کہا کہ اس اونٹنی کو مار ڈالو، چنانچہ اس اونٹنی کو مار ڈالا گیا، اور ادھر اللہ کے نبی کے ذریعہ سے ان کی اس حرکت پر یہ اطلاع دے دی گئی کہ اب تین روز کی تم کو مہلت ہے اس کے بعد تمہیں عذاب ہے، اب تم عذاب سے نہیں بچو گے، چنانچہ اللہ کا عذاب آیا اور سب تباہ کردیے گئے، معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ معجزہ بھیج دیتا ہے اور اس کے بعد پھر اگر کوئی معجزہ کا انکار کرے تو پھر وہ لوگ ختم کردیے جاتے ہیں، عذاب میں مبتلا کردیئے جاتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو مکہ والوں کے متعلق معلوم تھا کہ بالآخر یہ اسلام قبول کرلیں گے، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر سب نے اسلام قبول کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کا فیصلہ نہیں فرمایا، اور اسی لیے معجزہ بھی نہیں بھیجا، کیونکہ اگر معجزہ کے بعد یہ انکار کرتے جیسا کہ انکار کررہے ہیں تو اللہ کے عذاب کے مستحق ہوجاتے، اس لیے کہ جب کھلی دلیل آجائے اور اس کے بعد بھی کوئی انکار کرے تو پھر اللہ کی پکڑ کا بہت خطرہ ہوتا ہے۔

ذکر الٰہی کے فوائد

اخیر آیات میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لے آئے ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہیں یعنی ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے، ذکر سے، تلاوت سے، اللہ کو پکارنے سے، اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے سکون ملتا ہے، قلب میں ایک سکینت وطمانینت پیدا ہوتی ہے، اور قلب کی راحت ہی اصل راحت ہے، جسم کی راحت ضمنی ہے، اصل راحت قلب کی ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی صدمہ کی بات ہوتی ہے تو آدمی کو اچھے سے اچھا کھانا بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا، یا کوئی فکر و پریشانی کی بات ہو تو اچھی سے اچھی چیز بھی اس کو اچھی معلوم نہیں ہوتی، لیکن اگر دل خوش ہے تو آدمی جسم کی تکلیف برداشت کرلیتا ہے، اور اس کو جسم کی تکلیف کی پرواہ نہیں ہوتی، جیسے: ماں اپنے بچے کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھالیتی ہے، لیکن اس کو اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کا دل بچے میں لگا ہوا ہوتا ہے، معلوم ہوا اصل بات دل کی ہے، اور جو ایمان لے آتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمادیتا ہے کہ ان کے دلوں میں طمانینت یعنی ایک سکون پیدا ہوجاتا ہے، وہ اندر کا مزا محسوس کرتے رہتے ہیں، ایک لطف محسوس کرتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے خواہ وہ غربت کی حالت میں ہوں، یا کوئی پریشانی لاحق ہو، ان کو اس سے کوئی بھی تکلیف نہیں ہوتی، اس لیے کہ جب دل مطمئن ہے، تو دوسری چیزیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہوجاتی ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ تاکید کے ساتھ فرمارہا ہے ''واقعہ یہ ہے، سن لو کہ اللہ کی یاد سے دلوں میں اطمینان پیدا ہوتا ہے،'' یعنی جب تم اللہ کو یاد کروگے، اس کی طرف رجوع کروگے تو تمہارے دل میں ایک راحت وسکون پیدا ہوگا اور پھر جسمانی تکلیف اس کے سامنے ہیچ ہوجائے گی، پھر اگر جسمانی تکلیف بھی ہوگی تب بھی آدمی کو وہ تکلیف محسوس نہیں ہوگی، اس لیے کہ دل کے اندر ایک راحت وسکون ہے۔

بزرگوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہماری جنت ہمارے دل میں ہے، بلکہ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا: اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ ہم کو کس قدر راحت وآرام ہے تو ہم کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے، اور ہم سے یہ راحت چھیننے کی کوشش کریں گے، حضرت ابوبکرؓ نے اہل دنیا کے متعلق اپنے ایک خطبہ میں کہا کہ سب سے زیادہ تکلیف میں بادشاہ لوگ ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا سارا وقت فکر و پریشانی میں گزرتا ہے، چاہے جسمانی راحت ان کو جو کچھ میسر ہو اور Show جتنا اچھا ہو، لیکن ان کے دل بالکل مطمئن نہیں ہوتے، بلکہ ہر وقت دشمن کا خطرہ، اپنے لوٹ مار کا خطرہ، بغاوت کا خطرہ، اور بہت سے خطرات ان کے دل کو بے چین رکھتے ہیں۔

مومنین کے بارے میں فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے، اور اچھے اعمال کیے تو ان کے لیے بڑی راحت اور خوشی کی بات ہے، کیونکہ ان کو بہت ہی اچھی چیز حاصل ہوئی ہے، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ آخرت میں بہت اچھا معاملہ کیا جائے گا، یعنی یہاں اس ایمان کی بدولت قلبی سکون وراحت حاصل ہے، اور آخرت میں اس کا یہ صلہ ہے کہ وہاں جسمانی اور قلبی دونوں آرام حاصل ہوں گے، پھر آخرت میں بہترین انجام بھی ہوگا۔

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

ہجری سال کا پہلا مہینہ اور اس کی معنویت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے انسانی معاشرہ میں دو بڑی قومیں تھیں : ایک یہود ، دوسرے نصاری ، دونوں کے مذہب یہودیت و عیسائیت تھے ، دونوں اپنے نظریات کے مطابق ایک دینی پیغام رکھتی تھیں، جس کی ترجمانی وہ اپنے کردار و گفتار سے کرتی تھیں، لیکن دونوں کی مذہبی دعوت آسمانی عقائد و عبادات اور اصولوں کے بالکل خلاف تھی، ان کے اصول صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ بنیادوں پر قائم نہیں تھے ، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ توحید و رسالت سے بالکل کٹ گئیں ہیں، اور طرح طرح کی رسومات اور بدعات سے متاثر ہیں۔

اسی درمیان ان دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان اختلافات میں شدت آئی ، یہاں تک ان کے درمیان خوفناک جنگیں ہوئیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب ’انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر‘ [ص:۳۹-۴۰] پر رقم طراز ہیں:

’’چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی باہم رقابت و منافرت اس حد کو پہونچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا ، ۶۱۰ء میں یہودیوں نے انطاکیہ میں عیسائیوں کے خلاف بلوہ کیا ، شہنشاہ فوقا (Phocas) نے ان کی سرکوبی کے لیے مشہور فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا، اس نے پوری یہودی آبادی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ہزاروں کو تلوار سے، سیکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کر دیا، ۶۱۵ء میں جب ایرانیوں نے شام کو فتح کیا، تو یہود ہی کے مشورے و ترغیب سے خسرو نے عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم کیے اور بیشتر عیسائیوں کو تہہ تیغ کیا، ایرانیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہرقل نے زخم خوردہ عیسائیوں کے مشورے سے ۶۳۰ء میں یہودیوں سے سخت انتقام لیا، اور ان کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی مملکت میں صرف وہی یہودی بچ سکے، جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے‘‘۔

اس ہمہ گیر قتل وخون ، وحشت و بربریت اور تہذیبی و تمدنی بگاڑ جیسی خوفناک صورتحال سے جزیرۃ العرب بھی بری طرح متاثر ہو چکا تھا ، اور جہالت و ناخواندگی، قتل و غارت گری ، جوا اور قمار بازی ، نیز معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دینے ، عورت کا مرتبہ بالکل گھٹا دینے ، اور معمولی معمولی بات پر سالہا سال جنگ شروع کر دینے کا مزاج وغیرہ جیسی بے شمار اخلاقی اور تہذیبی بیماریاں اس میں جڑ پکڑ چکی تھیں، جس کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے ، بلکہ صورتحال یہ بن گئی تھی کہ یہ تمام جرائم زمانہ جاہلیت کی پہچان بن چکے تھے۔

چنانچہ دنیا میں بہت زیادہ دینی، اخلاقی اور تمدنی و تہذیبی فساد (Corruption) پیدا ہو جانے کے بعد قدرت نے چاہا کہ ساری انسانیت کو اب اِن ناپاک جرائم سے پاک کیا جائے ، اور پوری کائنات کو اس کی آلودگی و گندگی سے صاف کیا جائے، لہٰذا اس نے اپنے پاک پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیرۃ العرب میں رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین بنا کر بھیجا کہ جہاں پر ظلم و ستم اور وحشت و بربریت اور اخلاقی انارکی کا دور دورہ تھا ، اور زندگی کے تمام میدانوں میں ہر انسان کو مکمل آزادی حاصل تھی ، جس کی بنیاد پر وہ لوگ مذہبی حدود و قیود سے آزاد ہو گئے تھے ، اور جس پر چاہتے حملہ کرتے ، دھڑلّے سے قافلوں کو لوٹتے ، اور لوگوں کو قتل کر دیتے نیز جھوٹی اور عارضی عزت و شوکت اور سفلی خواہشوں کو پوری کرنے کی خاطر دوسرے انسانوں کی جانوں کو بے قیمت بنا کر ان پر بہیمانہ حملہ کرتے ، دوسری طرف یہ حال تھا کہ ان لوگوں کے درمیان برابر جنگیں جاری رہتیں ، بسا اوقات یہ جنگیں چالیس چالیس سال تک چلیں، جیسا کہ داحس، غبراء، اوس اور خزرج نیز قبائلی جنگیں اور خاندانی و علاقائی جھڑپیں تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں۔

قابل تعجب بات ہے کہ یہ ان پڑھ اور مذہب بیزار عرب، محترم مہینوں میں جنگ وجدال سے اجتناب کرتے ، اور ان مہینوں میں اس کو جائز نہیں سمجھتے ، اور چونکہ ان مہینوں کا احترام و تقدس عہد ابراہیمی اور عہد اسماعیلی سے چلا آرہا تھا، اور عربوں میں اس کی حرمت و عظمت پہلے ہی سے مسلم تھی ، جس کی بنا پر وہ لوگ اِن مہینوں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں قتل وقتال، خونریزی و سفا کی کو حرام سمجھتے تھے، خاص طور سے ان چاروں مہینوں میں ماہ محرم کو زیادہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وجہ

اس کی یہ تھی کہ حاجیوں کے قافلے وہاں سے اپنے اپنے وطن کو پرامن انداز میں روانہ ہوتے تھے، اور بعض علمائے متقدمین نے تو محرم کے مہینے کو دیگر تمام محترم مہینوں میں افضل قرار دیا ہے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سال کا آغاز محرم سے فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رمضان المبارک کے بعد ماہ محرم سے زیادہ عظیم کوئی مہینہ نہیں ہے، اور غایت احترام میں اسے محرم کا نام دیا گیا ہے۔

دوسری جگہ حضرت ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: ”میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کون سی رات افضل ہے، اور کون سا مہینہ افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کا درمیانی حصہ بہت زیادہ فضیلت کا حامل ہے، اور مہینوں میں محرم کا مہینہ افضل ہے“، گویا مذکورہ حدیث سے ماہ محرم میں روزے رکھنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، اور حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے مہینے کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف فرمائی، اور یہی نسبت اس کی عظمت واحترام کے لئے کافی ہے، اسی بنا پر زمانہ جاہلیت میں عاشوراء (دس محرم کے دن روزہ رکھنا) کے روزہ کا رواج قریش اور اس کے علاوہ دوسرے قبیلوں میں خوب عام تھا، اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا اہتمام فرمایا، جو اس دن کی فضیلت اور عظمت کی طرف واضح اشارہ ہے۔

جہاں تک اس مہینہ کی حرمت کا تعلق ہے تو وہ اپنی جگہ مسلم ہے، اور اسی حرمت وعظمت کا لحاظ کرتے ہوئے زمانہ جاہلیت میں لوگ عاشورے کے روزے کا اہتمام کرتے تھے، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں: ”عاشورے کے دن لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی روزہ رکھتے تھے، اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا اہتمام فرماتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد مبارک ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بھی اس کی فضیلت کو بیان کیا، لیکن جب رمضان کے روزے فرض کردیے گئے، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دے دیا اور فرمایا کہ: جو چاہے رکھے، اور جو چاہے چھوڑ دے۔[صحیح بخاری]

بلاشبہ ماہ محرم اپنے جلو میں ایک اہم تاریخی یادگار ہجرت نبویؐ کی شکل میں بھی رکھتا ہے، اسلامی کلینڈر کا آغاز بھی اسی سے ہوتا ہے، جسے ہجری کلینڈر کہا جاتا ہے، لفظ ہجرت سے مکی دور کے وہ سخت حالات نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ دوچار تھے، اس وقت حالات بڑے سنگین اور دشوار گزار تھے، اور چہار جانب سے دشمنوں کی یلغار تھی، انہی پرخطر حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالق کائنات پر کامل اعتماد کرتے ہوئے بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ چند لمحات غار میں گزارے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بجائے خوف زدہ وہراساں ہونے کے بے پناہ چین و سکون اور اطمینان کی کیفیت سے لبریز تھا، اور بے ساختہ زبان مبارک پر اپنے رفیق سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ ایمانی وتاریخی کلمات جاری تھے: ”لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا“ (ڈرنے، سہمنے اور خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں، صورتحال کتنی ہی تشویشناک کیوں نہ ہو، ہمیں صرف اپنے رب کی نصرت ومدد پر مکمل یقین رکھنا چاہیے، کیونکہ وہی ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے۔

محرم کا یہ مہینہ اس اعتبار سے بھی فضیلت کا حامل ہے کہ اسی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج ہوا، اور خالق کائنات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین راز و نیاز کی باتیں ہوئیں، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی جانب سے تحفہ میں پنج وقتہ نمازوں کا خوبصورت تحفہ ملا، جو اللہ تعالیٰ سے تقرب کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہے، اور اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری دنیا میں پھیلی شرک و بت پرستی، صنمیت اور وثنیت ختم کردینے، اور کفر والحاد کا قلع قمع کردینے کے وعدہ کو بھی پورا فرمادیا، اور بتادیا کہ اب دنیا میں صرف اور صرف توحید و الوہیت اور رسالت ونبوت کا بول بالا ہوگا، اور اسلام وایمان کی باد بہاری چلے گی۔

ہمارے معاشرہ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے، جو محرم کی دسویں تاریخ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جشن عجیب وغریب انداز میں مناتی ہے، کیونکہ آپؓ نے اسی دن ۶۱ھ میں جام شہادت نوش فرمایا تھا، تو یہ لوگ اُن کی یاد میں ماہ محرم کی پہلی ہی تاریخ سے ماتم کا سلسلہ اور دیگر خرافات وبدعات سے پُر مجالس ومحافل کا اہتمام کرتے ہیں، نیز اس میں جلوس نکالے جاتے ہیں، اور پورا مہینہ غم ورنج کی حالت میں گذارنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

حضرت حسینؓ کو صحیح خراج عقیدت یہی ہے کہ ہم ان کے لیے خوب دعا واستغفار کریں، اور ان کے نام پر جاری تمام بدعتوں اور خرافات کو مسلم معاشروں میں پھیلنے سے سے بچائیں، اور یاد رکھیں کہ شیطان ہر ایک کے پیچھے لگا ہوا ہے، اور ہمہ وقت وہ انسان کو راہ راست سے دور کرنے کی نت نئی کوششیں کرتا رہتا ہے، اور انسان کے پاس

جو قیمتی سرمایہ اور بیش بہا دولت، ایمان و اسلام کی شکل میں موجود ہے، وہ اس سے چھیننا چاہتا ہے، اسی طرح اخلاص کی دولت بے بہا سے اس کو دور رکھنا چاہتا ہے، اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے اس کو الگ کرنا چاہتا ہے، جب کہ اللہ رب العزت کا اعلان ہے: "وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عِظِيماً" (جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا، تو فتح یابی اور ظفر مندی اس کا مقدر بن جائے گی)۔

قابل افسوس بات ہے کہ غافل انسان نئے سال کی آمد پر خوشیاں مناتا ہے، مختلف قسم کی مجالس اور Functions کا اہتمام کرتا ہے، جبکہ وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی عمر کا ایک سال کم ہو گیا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اچھے اعمال و افعال سے مزین کرنے کی کوشش کرے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت کے مطابق اپنی زندگی کے بقیہ لمحات گزارے، پتہ نہیں کب وقتِ قضاء آجائے، اور وہ ایسے ہی گناہوں میں اور معصیتوں میں پڑا رہے، کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے: "عقلمند شخص وہ ہے جو موت سے پہلے موت کی تیاری کرلے" اور اسی تناظر میں قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّنْ قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ" [سورۂ انفال: ۶۰] (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو)۔

☆☆☆☆☆

زمانہ کی قیمت وعظمت

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ

امام رازیؒ کی تفسیر میں سورۂ عصر کا خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے عصر جو کہ زمانے سے عبارت ہے، کی قسم کھائی ہے کیوں کہ وہ حیرت انگیز باتوں کا مجموعہ ہے، اس لیے کہ انسان کو اس میں خوش حالی و تنگدستی، صحت و مرض، دولت و ثروت اور غربت و افلاس کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس لیے بھی کہ عمر ایک ایسی جنس گراں مایہ ہے، جس کا بدل درہم و دینار میں تلاش نہیں کیا جاسکتا، پس اگر آپ نے ایک ہزار سال بھی فضول گنوائے ہیں اور پھر تائب ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیا ہے اور عمر کی اس آخری گھڑی میں نیک بختی آپ کا مقدر بن گئی ہے، تو آپ ہمیشہ کے لیے جنت کے مکین بن جائیں گے، تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ عظیم اور گراں قدر شے آپ کی زندگی وہ گھڑی تھی، جس میں آپ کو یہ سعادت میسر آئی، پس زمانہ اللہ کی جملہ بنیادی نعمتوں میں سے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے اور اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ یہ شب و روز انسانوں کے لیے فرصت کے لمحات ہیں، لیکن افسوس کہ وہ انھیں یوں ہی گنوا دیتے ہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ زمان، مکان سے برتر اور عظیم تر شے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے، چونکہ زمانہ ایک ایسی خاص نعمت ہے جس میں کوئی عیب نہیں، عیب دار خسارے میں مبتلا ہونے والا تو خود انسان ہے۔

☆☆☆

اوراقِ زندگی

(جلد اول)

ماضی کے جھروکوں سے کچھ تاریخی و خاندانی جھلکیاں۔ زندگی کے کچھ سبق آموز واقعات۔ مطالعاتی و تدریسی مشاغل، تعلیمی و دعوتی اسفار۔ اہم دینی، علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں۔ دینی، ملی، تعلیمی اور دعوتی تحریکات سے وابستگی کا حال۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

صفحات: ۵۰۴--- قیمت: ۴۰۰/روپئے

ڈاک مصارف کے ساتھ صرف ۲۵۰/روپئے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539 موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: info@airp.org.in

تاریخ اسلام

صحابہ کرامؓ دین وشریعت کے سب سے پہلے راوی

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

نبوت و رسالت کے آخری سلسلہ کی تکمیل جب نبی کریم صلی الہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر کردی گئی تو اب آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے، آپؐ کی شریعت آخری شریعت ہے، اور قیامت تک آنے والے انسانوں اور قوموں کے لیے اس کو خدا کا آخری قانون بنایا گیا، اس لیے قیامت تک اس کو محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" [الحجر:۹] اس لیے قرآن کے الفاظ اور اس کے معانی دونوں کی حفاظت کی گئی ہے، جس طرح اس کی علمی حفاظت کی گئی اسی طرح عملی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا گیا۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرامؓ کی جماعت سب سے اول ہے، ان حضرات کی راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے، ان کی عقل، رزانت و متانت پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں، یہی وہ مقدس جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ و تصفیہ کے لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست معلم ومزکیؐ، استاذ ونگراں مقرر کیا گیا:

"لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"۔ [آل عمران: ۱۶۴] (بہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب کہ بھیجا ان میں ایک رسول اُن ہی میں سے کہ تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو، اور تعلیم کرتا ہے ان کو کتاب وحکمت کی اور بالیقین تھے وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں)۔

چونکہ ان حضرات صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت سپرد کی جارہی ہے، اس لیے قرآن وحدیث میں ان کے عادل ہونے کی شہادت دی گئی۔

قرآن مجید نے ان کی تعدیل کی اور ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وتقویٰ، دیانت وامانت پر شہادت دی اور انہیں یہ رتبۂ بلند ملا کہ اس جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر عادل گواہوں کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا:

"مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ"۔ [الفتح: ۲۹] (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور جو ایماندار لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں، وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی، ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدے کا نشان ہے)۔

گویا محمد رسول اللہؐ ایک دعویٰ ہے، اور اس کے ثبوت کے لیے حضرات صحابۂ کرامؓ کی سیرت و کردار کو بطور دلیل پیش کیا گیا، کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک وشبہ ہو اُسے آپ کے ساتھیوں کی پاکیزہ سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند اخلاق وکردار کے مالک ہوں، خود وہ کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے:

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

قرآن مجید نے صحابۂ کرامؓ کے راستہ کو ایک معیاری راستہ قرار دیا، ان کی مخالفت رسولؐ کی مخالفت قرار دی گئی:

"وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى" [النساء: ۱۱۵] (اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی ہو، اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر، ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے)۔

اس آیت کریمہ کے اولین مصداق صحابہؓ کی مقدس جماعت ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبویؐ کی صحیح شکل صحابۂ کرامؓ کی سیرت و کردار اور ان کے اخلاق واعمال کی پیروی ہے، اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کرلیا جائے۔

اس قسم کی بہت سی آیات میں صحابہ کرامؓ کے مناقب وفضائل مختلف عناوین سے بیان کیے گئے ہیں، اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دین کے سلسلۂ سند کی پہلی کڑی (معاذ اللہ) اگر نا قابل اعتماد ہو، ان کے اخلاق واعمال میں خرابی بسالی جائے، (خاکم بدہن) اگر ان کے بارے میں یہ تصور قائم کرلیا جائے کہ وہ بھی حب جاہ

وحبِّ مال میں گرفتار تھے، اقربا پروری وخویش نوازی میں مبتلا تھے تو دین کی ساری عمارت مسمار ہوکر رہ جائے گی۔

دنیا کا یہ دستور ہے کہ جب کسی خبر یا واقعہ کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح وتنقید کا نشانہ بنایا جائے، ان کی سیرت وکردار کو ملوث کیا جائے، ان کی ثقاہت وعدالت کو مشکوک بنایا جائے۔

صحابہ کرامؓ دین وشریعت کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے مذہب اسلام کے خلاف سازش کی اور اس سے لوگوں کو برگشتہ کرنا چاہا، تو سب سے پہلے صحابہؓ کو ہدفِ تنقید بنایا، چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریات کے اختلاف کے باوجود اس میں متفق نظر آتے ہیں، ان لوگوں نے مقدس جماعت کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی، ان کے اخلاق واعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر جب جاہ و حب مال، غصب وخیانت، کنبہ پروری، اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں، یہی نہیں بلکہ اُن کی پاکیزہ ہستیوں کو جن کے ایمان کو حق تعالیٰ نے معیار قرار دیا ہے: "آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ" [البقرۃ: ۱۲] انہیں کے ایمان وکفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا، حالانکہ یہ وہ جماعت ہے جس نے اسلام کی آبیاری اپنے خون وپسینے سے کی تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان حضرات صحابہؓ نے اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں، اپنی جائداد و املاک، حتی کہ جان عزیز تک کو راہ خدا میں قربان کرنے سے گریز نہیں کیا تھا:

"رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ الخ" [الاحزاب: ۲۳] (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جان عزیز تک اس راستہ میں دے ڈالی اور بعض اس کے منتظر ہیں، اور ان کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوئی)۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

حافظ ابو زرعہ رازیؒ جماعت صحابہ کرامؓ کی عدالت وثقاہت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی فرد پر تنقید کر رہا ہے، تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ رسولؐ برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو کچھ رسولؐ لاتے ہیں وہ برحق ہے، ان سب کے ہمارے لیے صحابہ کرامؓ ناقل ہیں یہ زنادقہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب وسنت کو باطل کردیں، اس لیے وہ خود بدرجہ اولیٰ مجروح ہیں"۔ [الکفایہ، خطیب بغدادی، ص: ۹۷]

تقریباً حدیث کی اکثر کتابوں میں 'مناقب صحابہ' پر مستقل ایک کتاب قائم کی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات نقل کیے گئے ہیں جو اس مقدس جماعت کے مقام و مرتبہ کو اور ان کی خصوصیات وفضائل، اوصاف و کمالات کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے، اس سے آپؐ کا یہی مقصد تھا کہ اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہیے تھا کہ اس جماعت کو عام افراد انسانی پر قیاس نہ کیا جائے:

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر وشیر

یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں، ان کی محبت عین محبتِ رسول ہے، ان کے بارے میں ادنیٰ لب کشائی ناقابل عفو جرم ہے، آپؐ نے فرمایا: "اللّٰه اللّٰه في أصحابي، لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى اللّٰه، فيوشك أن يأخذه" [سنن الترمذی: ۳۸۶۲، ومسند احمد: ج ۴/ص ۸۷] (اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے)۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ ارشاد فرماتے ہیں: "لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أُحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه" [صحیح بخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۲۵۴۰] (میرے صحابہؓ کو برا بھلا نہ کہو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا (خدا کی راہ میں) خرچ کرے تو بھی اُن کے ایک مُد یا آدھے مد (غلے) کے برابر نہیں ہوسکتا)۔

علامہ خطیب بغدادیؒ صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب بہت سی آیات واحادیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"وجميع ذلك يقتضي القطع على تعديلهم، فلا يحتاج أحد منهم مع تعديل اللّٰه تعالى لهم إلى تعديل أحد من الخلق لهم، على أنه لو لم يرد من اللّٰه عزّ وجلّ

ورسوله فيهم شيء، مما ذكرنا لأوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة، والجهاد، والنصرة، وبذل المهج، والأموال، وقتل الآباء والأولاد، والمناصحة في الدين، وقوة الإيمان واليقين، القطع على تعديلهم، والاعتقاد لنزاهتهم، وأنهم أفضل من جميع المعدلين والمزكين الذين يجيئون من بعدهم أبد الآبدين، هذا مذهب كافة العلماء" [الكفايہ: ۴۸] (یہ سارے دلائل (جو بیان کیے گئے) ان کی عدالت کے قطعی طور پر مقتضی ہیں، ان میں کا ایک فرد بھی اللہ تعالیٰ کے عادل قرار دینے کے بعد مخلوق کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے، ان صحابہ کرامؓ کے متعلق اگر اللہ ورسول کے وہ ارشادات اور بھی نہ ہوئے ہوتے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں ان کی مدح اور تعریف وتوثیق کی گئی ہے، تب بھی ان کے جو حالات تھے، یعنی راہِ خدا میں ہجرت، و جہاد، ونصرت، جان ومال کی قربانی، اللہ کی رضا کے لیے اپنے آبا واجداد، اور اولاد واقارب کے قتل پر آمادہ ہوجانا، اور دین کی خیر خواہی اور اللہ ورسولؐ کی وفاداری، اور ایمان ویقین کی قوت، تو جو شخص بھی ان کے حالات کو پیش نظر رکھے گا وہ قطعی طور سے عادل ہونے اور ان کے پاک دامن ہونے کا فیصلہ کرے گا، اور یہ حضرات تمام بعد میں آنے والوں سے افضل ہیں، اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے)۔

اگرچہ ان کے درجات میں باہم تفاوت تھا، مگر ان کا اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ ودیانت پر پوری امت کا اتفاق ہے:

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

اس کے بعد اگر کوئی شخص ان حضرات کو عام انسانوں کی سطح پر رکھ کر تنقیدیں شروع کردے تو اس سے یہی لازم آئے گا کہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منصب تزکیۂ نفوس کو بخوبی انجام نہیں دے سکے، یہ قرآن کی صریح تکذیب ہے، غرض یہ کہ صحابہ کرامؓ پر تنقید کا نتیجہ صرف انہیں تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب وسنت سب اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، اور دین کی پوری عمارت منہدم ہوجاتی ہے، اہل حق کا یہ امتیازی نشان رہا ہے، کہ وہ صحابہ کرامؓ کی محبت وعظمت کرتے ہیں، تمام عقائد کی کتابوں میں اجماعی طور پر یہ مضمون لکھا ہوا ہے، ان (صحابہ کرامؓ) کا ذکر خیر کے سوا اور کسی طرح کرنے سے زبان کو بند رکھا جائے۔

مگر آج موجودہ دور میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں، جنہیں نہ کتاب وسنت کی خبر ہے اور نہ ہی اسلامی علوم سے واقف ہیں، ان لوگوں نے تحقیق کے نام پر تحریف شروع کر رکھی ہے، تاریخ کی کتابوں سے مقصد برآری کے لیے آنکھیں بند کرکے کہ روایت کا معیار کیا ہے؟ اس کا مؤلف کس پایہ کا ہے؟ صحابہ کرامؓ کی کمزوریاں ثابت کرنے کی ناپاک کوشش میں مشغول ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ حدیث کی کتابوں بالخصوص صحاح ستہ کی روایات میں جو احتیاط رکھی گئی ہے، تاریخ میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، ثانیاً یہ کہ قرآن وحدیث واہل حق کا اجماع سے اس پر متفق ہیں کہ ان حضرات صحابہ کرامؓ پر نکتہ چینی نہ کی جائے، بلکہ جو روایات ان اصولوں کے خلاف ہوں وہ قابل رد ہیں، لیکن اگر تحقیق جائزہ وریسرچ کے شوق میں ان سارے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا جائے تو ظاہر ہے کہ تحقیق نہیں بلکہ تحریف ہوگی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت کا کیا یہی تقاضا ہے؟ کیا اسی کا نام صحابہ کرامؓ کا 'ذکر بالخیر' ہے؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہیے:

"إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله" [سنن الترمذی: ۳۸۶۶] (جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں، ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ کرامؓ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہو، اس پر اللہ کی لعنت، ظاہر ہے کہ اس لعنت کے مستحق ناقدین صحابہؓ ہی ہیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بعد کی امت کے لیے حق وباطل کا معیار ہیں، انہیں جو معیت نبویؐ کا شرف حاصل ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں ہوسکتی، کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطبِ دوراں کو ان کی خاکِ پا بننے کا شرف حاصل ہوجائے تو اس کے لیے مایۂ صد افتخار ہے، اہل حق کی یہ شان نہیں ہے کہ اپنی غلطی پر اصرار کرے، بلکہ خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف لوٹ آئے، حق تعالیٰ ہماری اور پوری امت اسلامیہ کی ہر زیغ وضلال سے حفاظت فرمائے، اور ہمارے قلوب میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت وعظمت پیدا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

نقوش تاباں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيْلاً لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً، وَلٰكِنَّهُ أَخِيْ وَصَاحِبِيْ. [صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابۃ: ۳۶۵۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں (خدا کے سوا) کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن میرے وہ بھائی اور ساتھی ہیں۔

فائدہ: تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام انبیائے کرام کے بعد سب سے بلند ہے، اسی لیے آپ کو "أفضل البشر بعد الأنبياء بالتحقيق" بھی کہا جاتا ہے، لیکن اگر یہ غور کیا جائے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بلند مقام کس طرح حاصل ہوا تو معلوم ہوگا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کچھ ایسی صفات تھیں جن کی بنیاد پر آپ کو یہ رتبۂ بلند حاصل ہوا۔

آپ کی پہلی صفت 'صدیق' ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے بعد صدیقیت کا مقام سب سے اونچا ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ" [النساء: ۶۹] اسی لیے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے صدیقیت کے مقام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: جب انبیائے کرام کا دسترخوان لگایا جاتا ہے تو اس پر اذن عام ہوتا ہے، لیکن جب انبیاء فراغت حاصل کر لیتے ہیں تو اس کے بعد صدیقین اس دسترخوان پر بیٹھتے ہیں، اس لیے کہ انبیاء کے بعد سب سے بلند مقام انہیں کا ہے، اور صدیقین کے گروہ میں سب سے بلند و بالا حضرت ابوبکرؓ کا مقام ہے، اس لیے کہ صدیقین کے بھی درجات ہیں۔

اسی لیے مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکرؓ سے خاص تعلق تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا اگر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن خلیل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے، اس لیے یہ میرے ساتھی ہیں اور دوست ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ جس قدر صحبت کا موقع حضرت ابوبکر کو حاصل ہوا وہ شاید ہی کسی اور کو حاصل رہا ہو، اس لیے کہ حضرت ابوبکر نبوت سے پہلے بھی آپ کے دوست رہے اور نبوت کے بعد بھی مستقل آپ کی رفاقت کا حق ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تب بھی آپ نے ان کی رفاقت کا حق ادا کر کے دکھایا، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تمام محسنین کا احسان چکا دیا ہے، سوائے ابوبکر کے، لہٰذا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو عطا فرمائے گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن روزہ دار کے لیے فلاں دروازہ کھول دیا جائے گا، فلاں شخص کے لیے فلاں دروازہ کھول دیا جائے گا، تو حضرت ابوبکر نے معلوم کیا، اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جس کے لیے جنت کے سارے دروازے کھول دیئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص آپ ہی ہیں۔ اللہ اکبر!!

صدیق کا مصداق کون؟

صدیق کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے، اور جس کے اندر یہ تینوں صفات ہوں گی وہی صحیح معنی میں صدیق ہوگا: ۱- زبان کی سچائی، ۲- عمل کی سچائی، ۳- حال کی سچائی، یعنی کسی انسان کے قول و فعل اور حال و عمل میں کوئی تضاد نہ پایا جاتا ہو، لیکن ان تینوں سچائیوں کا جمع ہونا آسان نہیں ہوتا، البتہ اگر کسی کی یہ تینوں چیزیں نبی کے ہم آہنگ ہوجائے تو اس کا مقام بہت بلند ہوجائے گا یعنی اول یہ کہ اس کا قول نبی کے قول کے مطابق ہوجائے، اور اس کا عمل نبی کے عمل کے مطابق ہوجائے، اسی طرح اس کا حال بھی نبی کے حال کے مطابق ہوجائے، اور چونکہ یہ تمام صفات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اندر بخوبی موجود تھیں اس لیے ان کو صدیقیت کا بلند مقام بھی حاصل ہوا، اس لیے کہ ان کو اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارے میں تردد و تذبذب پیش ہی نہیں آیا، مثلاً: جس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک لمحہ بھی تردد کے بغیر ایمان قبول کیا، البتہ بقیہ سب کو تردد پیش آیا، سوائے ابوبکر و خدیجہ کے، اور اصلاً یہی صدیقیت کا مقام ہے کہ انسان کو کبھی کسی طرح کا تردد پیش ہی نہ آئے۔

عمل کی یکسانیت

البتہ جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو حضرت

ابوبکرؓ کبھی بھی نبی کے عمل کی مخالفت نہیں فرماتے تھے، روایت میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر میں حضرت اسامہ کے لشکر کو روانہ کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن وہ آپ کی حیات میں نہ ہوسکا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ کے منع کرنے کے باوجود بھی آپ کے اس حکم نافذ کیا، کیونکہ جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا حضرت ابوبکر اس سے (نعوذ باللہ) کس طرح روگردانی کرسکتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے بھی اس موقع سے فرمایا: مدینہ کے سیاسی حالات اس قدر سازگار نہیں ہے کہ ابھی لشکر روانہ کیا جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کی بھی ایک نہ سنی، بلکہ حضرت عمر سے فرمایا: آپ تو جاہلیت میں بہت دم دار تھے اور اسلام میں بزدل ہونا چاہتے ہو؟ غرض کہ جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا تھا اس کو حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ کی ناپسندیدگی کے باوجود بھی پورا کیا۔

غیرت ایمانی

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مانعین زکاۃ کا جو مسئلہ پیش آیا اس میں آپ کی زبان سے نکلا ہوا تاریخی جملہ بھی صدیقیت کے مقام کو واضح کرتا ہے آپ نے فرمایا: "أینقص الدین وأنا حی" یعنی میرے جیتے جی دین میں کوئی کتر بیونت نہیں ہوسکتی، درحقیقت آپ کا یہ ایمانی کیفیت سے لبریز جملہ ایسا ہے جو کہ موجودہ زمانہ میں ہر انسان کے لیے آئیڈیل ہونا ضروری ہے، کہ جہاں بھی وہ ہو اس کے ہوتے ہوئے دین میں کسی طرح کی رخنہ اندازی کی کوئی دشمن ہمت تک نہ کرسکے، کیونکہ اس حمیت کا ہونا بھی صدیقیت کے ایک مقام میں سے ہے۔

اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا مسئلہ پیش آیا تو تمام صحابہ ایسے حادثہ پر اپنا ہوش کھو بیٹھے تھے، یہاں تک کہ خود حضرت عمرؓ کا کہنا تھا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے تو میں اس کی گردن کاٹ دوں گا، لیکن ایسے سنگین حالات کو قابو میں کرنے والا اگر کوئی شخص ہے تو وہ بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کی شخصیت ہے کہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ تمام پیچیدہ مسائل کو بآسانی حل کردیا۔

حال کی مماثلت

البتہ جہاں تک حال کا تعلق ہے، اس کو بھی سمجھنا مناسب ہوگا، روایت میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے تو آپ نے آسمانوں کی سیر کی، جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا، لہٰذا اگلے دن صبح کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ واقعہ لوگوں کو بتایا تو بعض نے کہا کہ دشمنان اسلام اس واقعہ پر ہمارا مذاق اڑائیں گے لہٰذا اس واقعہ کو کسی سے نہ بتانا ہی مناسب ہوگا، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، یہ واقعہ سچا ہے، اور میں اللہ کا رسول ہوں، تو مجھے بتانے میں کیوں تردد پیش آئے گا؟ لہٰذا جب آپ نے اس واقعہ کو بیان کیا تو کفار نے مذاق اڑایا، لیکن جب یہ واقعہ حضرت ابوبکرؓ کو سنایا گیا، تو آپ نے بغیر کسی تردد کے یہ فرمایا: اگر اللہ کے نبی یہ فرمارہے ہیں کہ مجھے آج معراج ہوئی ہے تو بلاشبہ یہ واقعہ سچا ہی ہوگا، کیونکہ جب ہم نے مانا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں، اور جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس اوپر سے وحی لاتے ہیں، تو اگر یہ کہا جائے کہ ایک دفعہ نیچے والے اوپر ہوکر آئے ہیں تو اس کو ماننے میں کیا حرج ہے؟ اسی لیے ایسی کیفیت کا پایا جانا ہی انسان کے حال کے اچھا ہونے اور نبی کے حال سے مماثلت کی کھلی علامت ہے، کہ حضرت ابوبکر کو اتنے بڑے واقعہ پر بھی ذرا سا تردد نہ ہوا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر، حال، قال، اور عمل ہر اعتبار سے صدیقیت کے مقام پر فائز تھے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب تمام صحابہ کرام کو آگے جانے سے روک دیا گیا تھا، حالانکہ قرآن میں یہ حکم آچکا تھا کہ: "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ" [الفتح:۲۷] تو تمام صحابہ کو اس بات پر اعتراض تھا کہ جب قرآن میں یہ کہہ دیا گیا ہے کہ: ''تم ضرور بالضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے'' تو آخر ہم واپس کیوں جائیں؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی اعتراض حضرت ابوبکرؓ سے ظاہر فرمایا، تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: قرآن میں کہا گیا ہے کہ تم ضرور داخل ہوگے، لیکن یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اسی سال اور ابھی داخل ہونا ہے، لہٰذا ان شاء اللہ اگلے سال ہم لوگ آئیں گے، اور پھر یہی اعتراض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی جواب دیا، غرض کہ حضرت ابوبکرؓ کو جہاں بھی دیکھا جائے تو ان کا کوئی ہمسر اور خلیل نظر نہیں آتا۔

حضرت عمرؓ کا مقولہ

اسی لیے حضرت عمرؓ بار بار مختلف موقعوں سے یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے تھے کہ ابوبکر تو بہت آگے بڑھ گئے، بلکہ حضرت عمرؓ کا یہاں تک کہنا تھا کہ ابوبکرؓ اگر مجھے اپنی زندگی کی دو قیمتی چیزیں عطا کردیں تو میں ان کو اپنی ساری زندگی کی عبادات دینے کے لیے تیار ہوں: ''ایک وہ رات جو انہوں نے غار ثور میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں گزاری ہے'' اور دوسرے ''ان کا مرتدین سے جنگ کرنا''۔

☆☆☆☆☆

محاسن اسلام

ایمانی اخوت کا مضبوط تر رشتہ

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو محبت کی ایک لڑی میں پرو دیا ہے، اپنے بیگانے ہوگئے اور بیگانے سگے بھائیوں سے بڑھ کر قرار پائے، خونی رشتہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اسلامی رشتہ خونی رشتہ سے بڑھ کر ہے، خونی رشتہ طبعی اور فطری ہے، اس میں شعور و تعقل کو دخل نہیں ہوتا لیکن ایمانی رشتہ عقل و آگہی کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، عقل کے راستہ سے یہ محبت دل میں داخل ہوجاتی ہے، پھر کوئی بڑی سے بڑی طاقت اس کو جدا نہیں کرسکتی، خونی رشتہ ٹوٹتے ہوئے دیکھے گئے ہیں لیکن ایمان کا رشتہ جب استوار ہوجاتا ہے تو شاید ہی اس کو کسی نے ٹوٹتے ہوئے دیکھا ہو، اس ایمانی رشتہ کی بنیاد ایمان ہے، ایمان کی پختگی کے ساتھ اس کی پختگی قائم ہے، ایمان کی کمزوری سے یہ رشتہ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ اس رشتہ سے واقف نہ تھے، ان کے تعلقات قبائل کی بنیادوں پر قائم تھے، ان کے یہ تعلقات اور آپس کے رشتے اندھے اصولوں کے ساتھ وابستہ تھے، انکا نعرہ تھا" أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً " ہرصورت میں بھائی کی مدد کرنی ہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اسلامی اخوت کا جو رشتہ عطا فرمایا، اس کو پاکیزہ اصولوں کے ساتھ جوڑا اور اس کی روشنی میں ان اولین مسلمانوں کی ایسی تربیت فرمائی کہ وہ ان تعلیمات میں ڈھل گئے، اسلامی اخلاق و تعلیمات اور اجتماعی زندگی کے اصول ان کے مزاج میں داخل ہوگئے، اسی لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: " أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً " اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم تو انہوں نے فوراً کہا:" ننصره مظلوماً " ہم مظلوم کی مدد کرسکتے ہیں،"فكيف ننصر ظالماً " ظالم کی مدد کیسے کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تمنعه من الظلم " اس کو ظلم نہ کرنے دو، یہی اس کی مدد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کے مزاج بدل گئے، کل تک جن کی زبانیں اسی نعرہ کو دہراتے دہراتے نہ تھکتی تھیں، آج جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے یہ جملہ دہرایا تو وہ چونک گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رُخ پھیر دیا اور اس کی حقیقت بیان فرمادی کہ تم جس کی مدد سمجھتے ہو وہ دشمنی ہے، مدد تو یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روک دیا جائے تاکہ وہ اس کے اخروی اور حقیقی نقصانات سے محفوظ رہے۔

اسی پاکیزہ اسلامی بھائی چارہ کا اثر تھا کہ اسلام پھیلتا جاتا تھا اور اسلامی برادری بڑھتی جاتی تھی، اس میں رنگ ونسل کی کوئی تمیز نہ تھی، کوئی حبش کا ہے تو کوئی فارس کا، کوئی خالص عربی النسل ہے تو کوئی عجم کے خاندان کا فرد ہے، سب ایک دسترخوان کے شریک ہیں، سب اپنے اپنے ظرف کے اعتبار سے لے رہے ہیں، کسی کو کسی سے کوئی عار ہے نہ بیر، یہ اسی اسلامی اخوت کا نمونہ تھا کہ عرب کے سردار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک حبشی نژاد سیاہ فام کے بارے میں " سیدنا " ہمارے آقا کے الفاظ استعمال کررہے ہیں، حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رتبہ کہاں سے ملا؟ یہ اس اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا۔

حضرات صحابہؓ کا مزاج بن چکا تھا، وہ اس اسلامی اخوت کے حامل و ترجمان تھے، پھر ہجرت مدینہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤاخات کی جو فضا قائم فرمائی، مہاجرین و انصار کے درمیان اس کے نتیجہ میں جو محبت قائم ہوئی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی، ایک ایک مہاجر کو انصاری کا بھائی قرار دیا گیا، حضرات انصارؓ نے اس کا حق ادا کردیا، اپنا کل مال دو حصوں میں تقسیم کردیا اور مہاجرین کو اس میں پوری طرح شریک کرنا چاہا، اس کی انتہائی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، آپ جس کو پسند کرنا چاہیں قبول کرلیں، میں طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کرلیں، حضرات مہاجرینؓ کہاں اس پر راضی ہوتے، انہوں نے کہا کہ بازار کا پتہ بتا دیجیے، یہ مال آپ کو مبارک ہو، اسی اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا کہ اوس وخزرج کے قبائل جن کی دشمنی سالہا سال سے چلی آرہی تھی، جنگ بعاث جن میں چالیس سال تک جاری رہ چکی تھی، اسلام نے اس طرح ان کو جوڑ دیا کہ آج دونوں کی الگ الگ پہچان مشکل ہے، دنیا دونوں قبیلوں کو انصار کے نام سے جانتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے: "وَاذۡكُرُوا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عليكم اِذۡ كُنۡتُمۡ أعداءً فـألَفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَأصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖ اِخۡوَانًا"

(اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم (اس میں ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اُس (اللہ) نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، سو تم اس کی نعمت سے (اس میں) بھائی بھائی ہو گئے)۔

سورۃ الحجرات کی دسویں آیت میں اسی بات کو تازہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

آیت کے اس حصہ میں کئی باتیں قابل غور ہیں، بھائی کا بھائی سے کیا رشتہ ہوتا ہے، کیسی محبت ہوتی ہے، آج خالص مادی دور میں شاید اس کو سمجھنا مشکل ہو، یورپ کے خالص مادی اور میکانکی نظام زندگی نے ساری انسانی قدریں خاک میں ملا دیں، اخبار میں اکثر یہ خبریں بھی آنے لگی ہیں کہ ماں نے بیٹے کو قتل کیا، نوزائیدہ کو اس کی ماں کوڑے دان میں ڈال گئی، بعثت نبویؐ سے پہلے عربوں میں ہزار جاہلیت کے باوجود یہ درندگی نہ تھی، وہ بھائی کے رشتۂ محبت سے آشنا تھے، اسی رشتہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، ایک بھائی کا بھائی سے جو تعلق ہوتا ہے وہی تعلق ایک ایمان والے کا دوسرے ایمان والے سے ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تشبیہ میں کوئی واسطہ اختیار نہیں کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ ایمان والے بھائیوں کی طرح ہیں، براہ راست کہا جا رہا ہے کہ وہ تو بھائی بھائی ہیں، تیسری ایک بات اور قابل توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ بات کہنے سے پہلے "انما" کا لفظ استعمال ہوا ہے، عربی گرامر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر لفظ "انما" کے ساتھ کسی چیز کی خبر دی جا رہی ہو تو وہ خبر بالکل نئی نہیں ہوتی، لوگ اس کے بارے میں پہلے سے واقف ہوتے ہیں گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ تم اخوت ایمانی سے واقف ہو تو تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے، آگے بطور خاص اس چیز کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی تمہید کے طور پر "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: "فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" (اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو)۔

یہ پوری آیت درحقیقت گذشتہ آیت کا تتمہ ہے جس میں یہ حکم تھا کہ اگر دو مسلمان گروہوں میں تصادم ہو جائے تو تمہیں صلح صفائی کرا دینی چاہیے، یہاں اس کی تحریض کی جا رہی ہے، اور اس کی وجہ بھی بیان ہو رہی ہے کہ اگر دو بھائیوں میں جھگڑا ہو جائے تو بقیہ بھائیوں کو رشتۂ محبت کی بنا پر اس کی فکر ہوتی ہے کہ دونوں کو ملا دیا جائے تاکہ سب کو اس مصیبت سے نجات ملے اور زندگی کا مزہ آئے، اسی طرح ایمانی رشتۂ اخوت میں بھی جو کسی طرح بھی خونی رشتہ سے کم نہیں بلکہ بعض وجوہات کی بنا پر اس سے بڑھ کر ہے، یہی فکر ہونی چاہیے، اگر دو ایمان والوں میں یا دو مسلمان گروہوں میں نزاع ہو تو بقیہ ایمان والے بھائیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ صلح صفائی کی فکر کریں تاکہ بہتر ماحول پیدا ہو، آپس کے تعلقات استوار رہیں اور جینے کا مزہ آئے، آیت کے اخیر میں فرمایا: "وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم رحمتیں نازل ہوں) اس میں خطاب صرف صلح کرانے والوں کو ہی نہیں ہے بلکہ دونوں جھگڑنے والے فریق بھی اس میں شامل ہیں، اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک عمومی حکم بھی ہے، تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے مومن اللہ کی رحمت خاص کا مستحق بنتا ہے، عام طور پر جھگڑے دل کے میل سے پیدا ہوتے ہیں، کینہ کپٹ، حسد، غیبت، چغلی، حق تلفیاں جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہیں، اگر تقویٰ مزاج میں داخل ہوگا تو دلوں میں صفائی پیدا ہوگی، قلبی امراض سے شفا ملے گی، دل آئینہ کی طرح شفاف ہو جائے گا، اپنی برائیاں نظر آنے لگیں گی، اب دوسروں کی آنکھ کے تنکوں بلکہ شہتیر کے بجائے اپنی آنکھ کے تنکے نظر آئیں گے، دوسروں کے لیے چشم پوشی کا مزاج بنے گا، اور اس کے نتیجہ میں بہتر سے بہتر ماحول پیدا ہوگا، دونوں فریقوں کو بھی صلح کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور ثالثی کرنے والے اور صلح صفائی کرانے والے کو بھی تقویٰ کی ضرورت ہے تاکہ وہ جنبہ داری نہ برتے، فیصلہ کرتے وقت اللہ کا لحاظ اور اس کا ڈر ہو۔

مجموعی اعتبار سے اس تقویٰ کے نتیجہ میں جب میل ملاپ کا ماحول بنے گا، ایک دوسرے کا خیال ہوگا تو یہ چیزیوں بھی رحمت الٰہی کو متوجہ کرنے والی ہے۔

عالمی اخوت اسلامی کی یہ دعوت ہی نہیں بلکہ حقیقت ایمان کا یہ نتیجہ ہے جس کو آیت شریفہ میں بیان کر دیا گیا ہے، اور یہ نتیجہ جب ہی ظاہر ہوگا جب ایمان اور ایمان کے تقاضوں کو سمجھ کر ان پر عمل کا جذبہ ہوگا، جب مومن اپنے مومن بھائی کے لیے وہی پسند کرے گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، جب وہ اپنے مومن بھائی کو نہ رسوا کرے گا نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے گا، بلکہ اگر ضرورت پڑے گی تو اس کے لیے سپر بن جائے گا، یہ ہے وہ ایمانی اخوت کا مضبوط تر رشتہ جس کے نتیجہ میں ایک صحابیؓ نے جان دے دی لیکن اپنے پیاسے ایمانی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارہ نہ کیا۔

☆☆☆☆☆

تذکیر وارشاد

حق گوئی: اسلامی معاشرے کا بنیادی وصف

مولانا محمد طارق نعمان

انسانی زندگی میں حق گوئی کی صفت اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ معاشرہ کے لوگ حق گوئی جیسی عظیم صفت کے حامل انسان پر عزت وتکریم کی نگاہ ڈالتے ہیں اور اس کی کہی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وہ صفت ہے جس سے تقریبا سارے انبیاء متصف رہے ہیں۔ ہمارے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندگی کے ہر معاملہ میں سچائی اور حق گوئی کو مضبوطی سے تھامے رہے اور سینہ سپر ہوکر باطل کے سامنے ڈٹے رہے۔ اسی عمدہ صفت کی وجہ سے نبوت سے پہلے ہی آپ 'الصادق الامین' کے لقب سے معروف ہوگئے اور نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی اسی دیانت و صداقت اور فطری خلوص کی بنا پر لوگوں نے آپ کی باتوں کو تسلیم کیا اور بہت کم عرصہ میں وہ مشرکین جو کل تک ہاتھا پائی کرنے پر تلے ہوئے تھے جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ انسانی اب تک قاصر ہے۔

شاہ حبشہ نجاشی کی حق گوئی

مکہ مکرمہ میں جب مسلمانوں کو اپنے دین پر چلنا مشکل ہوگیا اور ان پر عرصہ حیات تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا، کفار کی طرف سے ظلم وستم بڑھتے ہی رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سینکڑوں مسلمان مرد وعورت حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ جب کفار مکہ نے مسلمانوں کو چین وسکون کی زندگی بسر کرتے ہوئے سنا یا دیکھا تو ان کو غصہ آیا اور تحفے تحائف دے کر نجاشی شاہ حبشہ کے پاس ایک وفد بھیجا اس وفد نے جا کر اول حکام و پادریوں سے ملاقات کی اور ہدیے دے کر ان سے بادشاہ کے نام اپنی سفارش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا، اول بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خور حکام نے تائید کی انہوں نے کہا اے بادشاہ! ہماری قوم کے چند بیوقوف لڑکے اپنے قدیم دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہوگئے جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ جانتے ہیں اور آپ کے ملک میں آ کر رہنے لگے ہیں، ہم کو شرفاء مکہ نے اور ان کے باپ و ماں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں، آپ ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔

بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے بغیر تحقیق ان کو حوالے نہیں کر سکتا۔ اول ان سے بلا کر تحقیق کرلوں اگر یہ صحیح ہوا تو حوالے کر دوں گا اس لیے اس نے مسلمانوں کو بلایا، مسلمان بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے، وہاں پر بادشاہ کے سامنے مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام پیش کرنے کے قبل کے حالات اور اسلام کے ظاہر ہونے کے اثرات کا ذکر کیا بادشاہ کے طلب پر حضرت جعفر نے بادشاہ کے دربار میں سورۂ مریم کی اول کی آیتیں پڑھیں جن کو سن کر بادشاہ بھی اور اس کے پادری بھی بہت روئے یہاں تک کہ داڑھیاں تر ہوگئیں، اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰ لے کر آئے تھے ایک ہی نور سے نکلے ہیں اور ان لوگوں سے صاف انکار کر دیا کہ میں ان کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا وہ لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ بڑی ذلت اٹھانا پڑی، باہمی مشورہ میں ایک شخص نے کہا کہ کل میں ایسی تدبیر کروں گا کہ بادشاہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے ساتھیوں نے کہا بھی کہ ایسا نہیں چاہیے یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہوگئے مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں، مگر اس نے نہ مانا دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، ان کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بلایا۔

صحابہ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی۔ بہرحال گئے بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

مسلمانوں کی جانب سے جواب دیا گیا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی پر ان کی شان میں نازل ہوا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں جس کو خدا نے کنواری اور پاک مریم کی طرف ڈالا۔

نجاشی نے کہا حضرت عیسیٰ بھی اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے پادری لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

نجاشی نے کہا کہ تم جو چاہو کہو اس کے بعد نجاشی نے ان کے تحفے واپس کر دیے اور مسلمانوں سے کہا تم امن سے رہو جو تمہیں ستائے گا اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اس کا اعلان بھی کرا دیا کہ جو شخص ان کو ستائے گا اس کو تاوان دینا ہوگا۔

شاہ نجاشی کی اس حق گوئی کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کو بھی چین نصیب ہوگیا اور اہل حبشہ کی ایک بڑی تعداد حق کی حمایت پر بھی مستعد ہوگئی اور خود بھی ایمان میں داخل ہوگئی۔

روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین حبشہ نے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کیا تو نجاشی شاہ حبشہ نے ان کے ساتھ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء ومشائخ کا ایک وفد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا جن میں باسٹھ حبشہ کے اور آٹھ حضرات شام کے تھے۔

یہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک درویشانہ اور راہبانہ لباس میں ملبوس ہوکر حاضر ہوا، آپ نے ان کو سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی جسے سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، سب نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے کتنا مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوتا تھا اور یہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

ان کی واپسی کے بعد شاہ حبشہ نجاشی نے بھی اسلام کا اعلان کر دیا اور اپنا ایک خط دے کر اپنے ایک صاحبزادے کو وفد کا قائد بنا کر بھیجا مگر سو اتفاق سے یہ کشتی دریا میں غرق ہوگئی۔

الغرض حبشہ کا بادشاہ، حکام وعوام دونوں نے حق کا اعتراف کیا مسلمانوں کے ساتھ حق پرستی سے کام لیتے ہوئے شریفانہ اور عادلانہ سلوک کیا اور خود بھی مسلمان ہوگئے یہ ہے نتیجہ حق گوئی اور حق پرستی کا۔

بلعم بن باعور کا حق گوئی سے صرف نظر

بلعم بن باعورا ایک جلیل القدر عالم اور صاحب تصرف درویش تھا، لیکن جب اس نے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پر جانتے ہوئے بھی حق گوئی سے صرف نظر کرتے ہوئے کذب وافترا سے کام لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اپنی ناپاک تدبیریں کرنا شروع کر دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا، لیکن خود وہ اور اس کی قوم گمراہ ہوکر فلاح دارین سے محروم ہوگئی۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں سورہ اعراف کی آیت ۱۷۵ اور ۱۷۶ میں کیا گیا ہے، آیت کریمہ اس طرح سے ہے: واتل علیهم نبا الذیٓ آتینه آیتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطن فکان من الغوین، ولو شئنا لرفعنه بها ولکنه اخلد الی الارض واتبع هوٰه فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث ذلك مثل القوم الذین کذبوا بآیتنا فاقصص القصص لعلهم یتفکرون.

اس واقعہ کی تفصیل مشہور ومعروف تفاسیر کے مطابق اس طرح سے ہے کہ غرق فرعون اور فتح مصر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قوم جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا جب جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ تمام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر پہنچ گئے تو ان کو فکر ہوئی کیونکہ قوم فرعون کا غرق وغارت ہونا ان کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا، جبارین جمع ہوکر بلعم بن باعورا کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے وہ اس لیے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دیں آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ ان کو ہمارے مقابلے سے واپس کر دیں وجہ یہ تھی کہ بلعم بن باعورا کو اسم اعظم معلوم تھا وہ اس کے ذریعہ جو دعا کرتا تھا قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے کہا کہ افسوس ہے کہ تم کیسی بات کہتے ہو وہ اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہیں ان کے خلاف بددعا کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ ان کا مقام جو اللہ کے نزدیک ہے وہ بھی جانتا ہوں اگر میں ایسا کروں گا تو میرے دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو اس پر بلعم نے کہا کہ اچھا میں اپنے رب سے اس معاملے میں معلوم کرلوں کہ ایسی دعا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں، اس نے اپنے معمول کے مطابق معلوم کرنے کے لیے استخارہ یا کوئی عمل کیا، خواب میں اس کو بتلایا گیا کہ ہرگز ایسا نہ کرے، اس نے قوم کو بتلا دیا کہ مجھے بددعا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

اس وقت قوم جبارین نے بلعم کو کوئی بڑا ہدیہ پیش کیا جو درحقیقت رشوت تھی، اس نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر اس قوم کے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ ضرور یہ کام کر دو اور الحاح واصرار کی حد نہ رہی۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ رشوت قبول کر لیں اور ان کا کام کر دیں اس وقت بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددعا کرنا شروع کی۔

اس وقت قدرت الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ جو کلمات بددعا کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظ بددعا خود اپنی قوم جبارین کے لیے نکلے وہ چلا اٹھے کہ تم تو ہمارے لیے بددعا کر رہے ہو؟

بلعم نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر بھی تباہی نازل ہوئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان اس کے سینہ پر لٹک گئی، اور اب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دنیا وآخرت تباہ ہوگئی اب دعا تو میری چلتی نہیں لیکن میں تمہیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعے تم موسیٰ کی قوم پر غالب آ سکتے ہو۔

وہ یہ کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان کے ساتھ جو کچھ کریں کرنے دیں، رکاوٹ نہ بنیں،............

........................بقیہ صفحہ ۳۰/ پر

رسید کتب

تبصرہ وتعارف

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام کتاب: منتخب ملفوظات حضرت تھانویؒ

مرتب: محمد یاسین کاکوسی مظاہری

منقسم و غیر منقسم ہندوستان کی تاریخ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اپنا ایک الگ مقام، خصوصیت و امتیاز کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو شرعی امور میں ژرف بینی اور اصلاحی و تربیتی معاملات میں خوش اسلوبی اور حکمت و دانائی عطا فرمائی تھی، کوئی دوسری شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جو ان کی نظیر پیش کر سکے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے آپ کو اپنے وقت کا مجدد تسلیم کیا ہے۔

ایسی شخصیت کے ملفوظات و فرمودات، اور پند و نصائح آنے والی نسلوں کے لیے مفید و نافع ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کو محفوظ کرنے کی ہمیشہ سے کوشش کی جاتی رہی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی اپنے مواعظ و نصائح کو قلم بند کرانے کا اہتمام کیا، اور ان کے ملفوظات 'الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ' عنوان کے ساتھ طویل صفحات میں محفوظ ہوئے۔ مولانا محمد یاسین کاکوسی مظاہری مہتمم دار العلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات نے ان افادات و ملفوظات میں سے ایک خوبصورت انتخاب، دلکش نسق و ترتیب کے ساتھ اور آج کے مذاق و طبیعت کے مطابق طباعت و اشاعت سے آراستہ کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے، جو اک مفید اور لائقِ تحسین قدم ہے، اور امید ہے کہ مولانا موصوف اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اس حسنِ انتخاب و ترتیب کی مزید جلدیں ہمارے سامنے لائیں گے۔

ایک فردِ مسلم کو ان ملفوظات میں بہت سی دینی معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہیں ایک ایسے شخص کو جس کو تھوڑا بہت ذوق فہمِ دین کا عطا ہوا ہو، بڑی نکتہ کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اہل اصلاح و ارشاد کے لیے جہاں مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں، وہیں ذہنی خلجان رکھنے والوں کے لیے درد کا مداوا اور ان کے پیچیدہ امراض کا علاج بھی۔

خواہش مند حضرات، دیوبند، سہارنپور، لکھنؤ، احمد آباد اور بمبئی کے کتب خانوں سے طلب کر سکتے ہیں۔

نام مجلّہ: الکشاف

سہ ماہی مجلّہ، الہ آباد

ہماری نگاہوں کے سامنے ایک خوشنما رسالہ کے مختلف شماروں کا ایک مجموعہ دعوتِ مطالعہ دے رہا ہے۔ یہ 'الکشاف' نامی سہ ماہی دینی و علمی و تاریخی مجلّہ ہے جس کے سال ۲۱=۲۰۲۲ء کے شمارے ہمیں دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ رسالہ مولانا سید محمد غیاث الدین مظاہری مدظلہ کی سرپرستی میں 'فلاح العباد ٹرسٹ' کریلی الہ آباد سے نکلتا ہے۔ اس کا ہر شمارہ عام رسالوں کے سائز میں ۶۴/ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے، ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری اس کے ایڈیٹر ہیں، اور اس کی مجلس ادارت اور مجلسِ مشاورت میں خالص دینی شخصیات بھی ہیں، اور عصری و نیم عصری شخصیات بھی۔

رسالہ کے آغاز میں مدیر کے قلم سے 'اپنی بات' کا عنوان قائم کر کے زیادہ تر حالات حاضرہ سے متعلق دلچسپ انداز میں گفتگو کی جاتی ہے، آگے علامہ اقبال یا اکبر الہ آبادی وغیرہ شعراء کے کلام کے حسنِ انتخاب پیش کیا جاتا ہے، اور آگے بڑھیے تو معاون ایڈیٹر جناب عماد الدین مظاہری کے قلم سے 'درسِ قرآن' بھی اس رسالہ کا اک لازمی جزو ہے، اور خاص بات یہ کہ ہر شمارہ میں بعض صحابہ یا صحابیات رضی اللہ عنہم و عنہن کے تعارف کا ایک حسین گوشہ ہے، جو اس مجلّہ کو ایک خاص رونق و امتیاز بخشتا ہے، اور آخر میں شریعت کی رہنمائی کے لیے 'فقہی مسائل' کا عنوان قائم کیا گیا ہے، جس میں روزمرہ کے مسائل شریعت مدیر صاحب کے قلم سے تحریر کیے جاتے ہیں۔ یہ وہ عناوین ہیں جن کا ہر شمارہ میں اہتمام نظر آتا ہے، ان کے علاوہ حسبِ موقع و حسبِ ضرورت بعض وہ مضامین بھی اس مجلّہ کی زینت کا حصہ ہیں جو ہر شمارہ میں مختلف عناوین کے تحت ہوتے ہیں۔

پرچہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اچھے اہلِ علم قلم کار دستیاب ہیں جو مسلم سماج کی دینی ذہن سازی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ پرچہ پوری کامیابی کے ساتھ اپنی عمر کے پانچ سال مکمل کر چکا ہے۔ یہ اردو داں طبقہ کے ایک جاذب نظر اور مفید دینی و علمی رسالہ ہے جس کا مطالعہ ہر فرد امت دینی وابستگی اور دینی فہم کے حوالہ سے کافی مدد کر سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

زبان وادب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا

ادبی ماحول اور شعر وسخن کا ذوق

نجم الثاقب عباسی ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں وہ انگریزوں کے تسلط کا دور تھا اور انگریزوں سے نفرت ملک کے باشندوں کے گویا خمیر میں شامل ہوگیا تھا۔لوگ مغلیہ سلطنت کی شان وشوکت اور اس کے قصہ کہانیوں کو بھول چکے تھے۔۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے زخم سے لوگ نجات پا چکے تھے اور ظالم فرنگیں سے ٹکرانے کی ہمت وجرأت آچکی تھی۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے جب شعور کے مرحلے میں قدم رکھا تو اس وقت تحریک خلافت ہندوستان میں بام عروج پر تھی۔صرف مسلمان ہی نہیں ہندوؤں نے بھی خلافت تحریک کو مضبوطی سے آگے بڑھایا۔مولانا علی میاں ندویؒ عمومی طور پر لکھنؤ میں رہتے تھے جو اس وقت تحریک آزادی کے ساتھ ساتھ تحریک خلافت کا بھی مرکز بنا ہوا تھا۔لوگ فرنگی حکومت کی مخالفت میں سرکار سے ملے،اعزاز وتمغہ اور ولایتی کپڑوں کو مولانا علی میاں ندویؒ کے گھر کے قریب امین الدولہ پارک میں جلاتے اور پیروں سے روندتے تھے، جسے مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس دوران مولانا نے مولانا محمد علی جوہر اور مہاتما گاندھی کو بھی دیکھا۔خود علی برادران کی والدہ بی امّاں مولانا کے گھر تکیہ کلاں رائے بریلی ان کی والدہ سے ملنے گئیں۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص۲۷-۳۷]

مولانا علی میاں ندویؒ کا گھرانہ صدیوں سے دینی، علمی اور ادبی گھرانہ مانا گیا۔مولانا کے دادا مولانا حکیم فخر الدین خیالی اردو فارسی زبان کے صاحب دیوان شاعر گذرے ہیں۔مولانا کے والد مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی نے اردو ادب کو ”گلِ رعنا“ نامی کتاب دے کر احسان کیا ہے،اس کے علاوہ انھوں نے اردو عربی وغیرہ میں کئی تصانیف چھوڑی ہیں، جس میں مشہور نزھۃ الخواطر بھی ہے،خود مولانا کی والدہ خیر النساء جو ”بہتر“ تخلص اختیار کرتی تھیں، نے منظوم دعاؤں کی شاعری میں اپنا ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے، ان کے علاوہ بھی خانوادہ علم اللّٰہی کے کئی افراد علم وادب کے گلشن میں گل بن کے پھلے پھولے اور مہکے۔

مولانا علی میاں ندویؒ جب شعور کی عمر کو پہنچے تو ایک طرف ان کے اردگرد انگریزوں کی مخالفت تھی تو دوسری جانب علم وادب کا چرچہ تھا۔خود مولانا کے گھرانہ میں اگر کوئی غمناک حادثہ ہوجاتا یا کوئی مشکل سامنے آجاتی تو ”صمصام الاسلام“ سنی جاتی جو مشہور مؤرخ واقدی کی تصنیف کردہ ہے، اس کا اردو ترجمہ مولانا کے گھرانہ کے ایک فرد اور مولانا عبدالحئی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کے حقیقی پھوپھا منشی عبدالرزاق کلامی نے کیا تھا،اس کو جب مولانا کی خالہ صالحہ بی ترنم سے دلکش اور پرکشش انداز میں پڑھتیں تو ایک سماں بندھ جاتا۔اس کو سننے سے دل راہ خدا میں جان دینے کے لیے مچل اٹھتا تھا۔صحابہ کرامؓ اور مجاہدین کے تذکرہ کے سامنے اپنا غم بھول جاتا،مولانا نے ان مجلسوں کو دیکھا وسنا تھا،جس سے ان کو جرأت وشجاعت کے ساتھ شعر وسخن کو سمجھنے بوجھنے میں آسانی ہوئی۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۸۲-۸۳]

اس کے علاوہ مولانا نے جب آغازِ شعور میں قدم رکھا تو اپنے گھرانے کے لوگوں کو کتابوں کے مطالعہ کا گرویدہ پایا۔مولانا کی دونوں بہنیں بھی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رکھتی تھیں، جیسا کہ آج کل بھی رواج ہے کہ گھر آیا مہمان یا خاندان کے لوگ اپنے چھوٹوں کی دلجوئی کے لیے پیسے دیتے تھے تو اسی طرح کوئی بڑا مولانا اور مولانا کی بہنوں کو پیسہ دیتا تو وہ اس سے کتاب خرید لیتے۔مولانا کے گھر کی گلی میں جب کوئی کتاب فروش آتا اور بچوں کے متعلق رسالہ یا کتابیں جیسے ہرنی نامہ،نور نامہ،حلیمہ دائی کی کہانی وغیرہ کی صدا لگا کر نیز ان کتابوں میں لکھے اشعار ترنم سے پڑھتا تو مولانا کی بہنیں مولانا کو حکم دیتیں کہ فلاں کتاب خرید لاؤ اور مولانا حکم کی اتباع میں دوڑ کر جاتے اور کتابیں خرید لاتے۔چونکہ مولانا کا گھرانہ عقیدۂ توحید پر سختی سے کاربند تھا تو ان کے یہاں شرکیہ کلام یا کتاب کا گذر نہیں تھا۔ ہاں! سیرت اور بزرگوں کے واقعات اور بے ضرر قصوں کی کتابیں چاہے وہ نثر میں ہوں یا نظم میں شوق سے خریدی اور چاؤ سے پڑھی جاتیں۔مولانا کے بچپن میں یہ کتابیں تقریباً دو پیسہ، چار پیسہ یا دو آنے، چار آنے میں مل جاتی تھیں۔مولانا کی دونوں بہنیں ان کتابوں کو ترنم کے ساتھ بڑے ذوق وشوق سے پڑھتیں اور جب تک کتاب ختم نہ ہوجاتی قرار نہ آتا۔خود مولانا کو دائی حلیمہ کے قصہ کے یہ اشعار یاد تھے کہ:

ایک عاشق تھی دائی حلیمہ
جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
وہ کچھ اس رمز سے آگاہ نہ تھی

اس کی قسمت میں دولت تھی لکھی
نور اللہ کو لائی گھر میں
یعنی اس شاہ کو لائی گھر میں
واہ کیا طالع بیدار ملے
جس کو کونین کے سردار ملے

مولانا علی میاں ندویؒ اور ان کی بہنیں صرف کتاب فروش کے بھروسہ نہ تھیں بلکہ مولانا کو ان کی بہنوں کا حکم ہوتا تو وہ امین آباد واقع صدیق بک ڈپو جو مولانا کے گھر کے قریب تھا' سے کتابیں لے آتے۔ یہ کتابیں نثر میں بھی ہوتیں اور نظم میں بھی۔ مولانا بھی اس کتاب سے پڑھنے، سننے میں شریک رہتے۔ یہ کتابیں عمومی طور پر سیرت پاک سے متعلق ہوتیں جس کے پڑھنے سے دل و دماغ پر اچھا اثر پڑتا تھا۔ سیرت پاک کے قصہ سننے و پڑھنے سے مولانا اتنا متاثر ہوتے کہ ایک بار انھوں نے بچوں کے ایک میلاد کرانے کی ٹھانی، بچوں کے گھر گھر جا کر انھیں میلاد کی دعوت دی، بہنوں میں سے کسی نے ان کے سر پر ایک چھوٹا سا عمامہ باندھا اور جب ننھے شرکاء نے میلاد کو رونق بخشی تو مولاناؒ نے سیرت کی کوئی کتاب پڑھنی شروع کی، مولانا خود رقمطراز ہیں کہ:

''قابلیت کا یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سردار قریش عبدالمُطّلب کو عبدالمَطلَب پڑھ رہا تھا''۔ [کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۵۸-۶۰]

اس کم سنی یعنی جب مولانا کی عمر تقریباً ۶-۷/ برس کی تھی، اس عمر میں مولانا نے اپنی چھوٹی سی ایک ذاتی لائبریری بنالی تھی، جیسا کہ پہلے تذکرہ ہوا کہ مولانا کے خاندانی رواج کے مطابق بچوں کو دست خرچ دیے جاتے تھے تو مولانا علی میاں ان پیسوں سے کھلونے خریدنے کے بجائے کتاب خریدتے۔ مولانا نے جو ذاتی کتب خانہ بنایا تھا اس میں اکثر کتابیں ان کے والد مولانا عبدالحئی کی ان کتابوں سے بنایا تھا جو ان کے لیے بے کار تھیں اور وہ اسے ردی میں ڈال دیتے تھے۔ مولانا نے کتابوں کے جمع کرنے کا اپنا ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے کہ:

''میرے پاس اس طرح کچھ پیسے آ گئے، وہ ایک دو آنے سے زیادہ نہ تھے، میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کتب فروشوں ہی کے یہاں ملتی ہے اور ہر چیز کی دکان الگ ہوتی ہے، میں آمین آباد گیا، گھنٹہ گھر والے پارک کے سامنے بڑی دکانوں کی جو قطار ہے، اس میں کئی دوا فروشوں کی دکان پر پہنچا۔ غالباً 'سالومن' کمپنی تھی، میں نے پیسے بڑھائے کہ کتاب دیجیے، دکان پر کام کرنے والے صاحب نے سمجھا کہ کسی شریف گھرانے کا بھولا بھالا بچہ ہے، کمسٹ کی دکان پر کتاب کیا ملتی، دواؤں کی فہرست اردو میں تھی، انھوں نے وہی بڑھا دیا اور پیسے بھی واپس کر دیے۔ میں پھولے نہیں سماتا تھا کہ کتاب بھی مل گئی اور پیسے بھی واپس آ گئے۔ خوش خوش گھر پہنچا اور اس سے اپنے چھوٹے سے کتب خانہ کو سجایا''۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۷۵-۸۰]

مولانا نے آغاز شعور کے زمانہ میں اردو زبان و ادب کی کتابیں مطالعہ میں رکھ لی تھیں اور وہ کتابیں اتنی جامع اور مستند تھیں کہ کم سنی میں کم لوگ اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مولانا کا جب رائے بریلی میں طویل قیام ہوتا تو اس میں مطالعہ کی سہولت زیادہ میسر آتی۔ وہیں پر انھوں نے علامہ شبلی کی شہرہ آفاق تصنیف 'الفاروق' پڑھی اور بار بار پڑھی۔ نیز مولانا کے پھوپھا مولانا طلحہ حسنی جو لاہور کے ایک کالج میں پروفیسر تھے اور ان کی سنگت و صحبت سے مولانا نے استفادہ کیا تھا۔ لہٰذا ان کی ایماء پر مولانا محمد حسین آزاد کی 'آب حیات' کا عمیق مطالعہ کیا کہ اس کتاب کے بعض اشخاص، شعراء اور کلام مولانا علی میاں کے دل و دماغ پر نقش ہو گئے۔ اسی طرح مشہور کتاب 'گل رعنا' مولانا کے گھر کی کتاب تھی اور مولانا کے والد مولانا عبدالحئی اس کے مؤلف تھے۔ اس کا مولانا نے بڑی توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا تھا کہ مولانا کو اردو شعراء اور شاعری پر بحث، مباحثہ کرنے کی لیاقت پیدا ہو گئی۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۹۳-۹۴]

مولانا کے ایک ماموں زاد بھائی جن کا نام حافظ سید حبیب الرحمٰن تھا، وہ اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ میں طالب علم تھے، انھیں بڑے اردو شعراء کے کلام پر نقد و تبصرہ کا شوق تھا، وہ بچوں سے ان کے اشعار کے مطلب جاننے کی کوشش کرتے، وہ نہ بتا پاتے تو خود ہی آسان زبان میں بتانے کی جتن کرتے۔ بچوں میں اردو تحریر و تقریر کا مسابقہ کرواتے۔ انھیں مومن خان مومن، غالب، ذوق اور شعراء لکھنؤ میں آتش اور امیر مینائی وغیرہ کے کلام سے خصوصی مناسبت تھی۔ ان کی صحبت سے مولانا پر یہ اثر پڑا کہ مشکل اشعار کا سمجھنا آسان ہوا اور تذکیر و تانیث، استعارے، تشبیہ اور معیار سے آشنا ہوئے۔ اسی طرح مولانا کے بچپن میں مشاعروں کا عام چلن تھا، خود مولانا کے گاؤں میں کئی بار مشاعروں کی نشست سجائی گئی، ان سب حالات اور ماحول سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی شعر و سخن کے میدان میں طبع آزمائی کی کوشش شروع کی مگر مولانا کے بڑے بھائی مولانا عبدالعلی حسنی علیہ الرحمہ نے سختی سے روک دیا۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۹۴-۹۵]

مولانا علی میاں کے گھرانے میں کتابوں سے کتنی شغف تھی اور ان کو جمع کرنے اور مطالعہ کا کتنا شوق تھا' وہ ان کے گھرانے کے افراد اور مصنّفین کے حالات کو پڑھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مولانا جب کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہوئے تو مولانا کے بڑے بھائی مولانا عبدالعلی حسنی نے ان کو خاندانی کتب خانہ کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنے کی تاکید کی۔ اس خاندانی کتب خانہ میں مولانا کے گھرانے کے اہم خاندانی مخطوطات، غیر مطبوعہ قلمی کتابیں، اسلاف ومشاہیر کے خطوط، سندات وفتاویٰ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ مگر مولانا کم عمری اور ادبی ذوق کے سبب پرانی قلمی کتابوں میں دماغ کھپانے اور پرانی قلمی کتابوں کی ورق گردانی سے گھبراتے تھے، جب مولانا کے بڑے بھائی مولانا عبدالعلی حسنی نے ان کی لاپرواہی دیکھی تو ان کی والدہ خیر النساء کو خط لکھا کہ آپ علی کو تاکید کریں، جس پر مولانا کی والدہ نے مولانا کو ایک طویل خط لکھا جس کا مختصراً اقتباس حاضر ہے۔

''علی! ایک نصیحت اور کرتی ہوں، بشرطیکہ تم عمل کرو، اپنے بزرگوں کی کتابیں کام میں لاؤ، احتیاط لازم رکھو، جو کتاب نہ ہو وہ عبدو (عبدالعلی حسنی) کی رائے سے خریدو، باقی وہ کتابیں کافی ہیں، اس میں تمہاری سعادت مندی ظاہر ہوگی اور کتابیں برباد نہ ہوں گی اور بزرگوں کو خوشی ہوگی، اس سعادت مندی کی مجھے بے حد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۱۱۳]

علم وادب کے متعلق مولانا علی میاں کا ایک لطیفہ مشہور ہے کہ انھوں نے ایک عربی مضمون کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ جو شہرہ آفاق اخبار 'زمیندار' میں شائع ہوا اور اس کی مولانا کے نام کے آگے پسر عبدالحئ لکھا گیا تھا، انہی دنوں مولانا علی میاں نے اپنے خاندان کے ایک بھائی مولانا ابوبکر کے ساتھ پنجاب میل سے رائے بریلی سے لکھنؤ جارہے تھے۔ مولانا کی اس وقت عمر تقریباً ۱۳/ سال تھی، ٹی .ٹی . آئی نے مولانا کا ٹکٹ چیک کیا تو ٹکٹ ہاف نکلا۔ ٹی .ٹی . آئی نے عمر معلوم کرنے کے بعد کہا کہ آپ کو ٹکٹ پورا لینا چاہئے تھا، اب آپ کو اتنی پینالٹی بھرنی پڑے گی۔ مولانا نے کہا کہ ٹھیک ہے میں مشورہ کرلیتا ہوں۔ اس بات چیت کے تھوڑی دیر بعد مولانا نے 'زمیندار' کا پرچہ نکالا، چونکہ سفر میں عمومی طور پر مسافر بے کار ہی بیٹھے ہوتے ہیں تو 'زمیندار' کا پرچہ ٹرین کی بوگی میں گشت کرنا شروع کیا، جیسا کہ آج بھی یہ رواج قائم ہے۔ گشت کرتے کرتے یہ پرچہ ٹی .ٹی . آئی صاحب کے پاس جا پہنچا اور وہ اخبار پڑھنے لگے، مولانا یہ غنیمت جان کر ٹی .ٹی . آئی کے پاس پہنچے اور 'زمیندار' کے پرچے میں چھپے اپنے مضمون کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ مضمون میرا ہے اور میں نے لکھا ہے۔ چونکہ ٹی .ٹی . آئی صاحب مسلمان تھے مگر ڈریس کوڈ اور وردی کے سبب پہچانے نہ جاسکے تھے تو انھوں نے مولانا سے پوچھا کیا تم مولانا عبدالحئ کے بیٹے ہو؟ مولانا نے ہاں میں جواب دیا تو وہ ٹی .ٹی . آئی صاحب بھی کھل گئے اور بتایا کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا طالب رہا ہوں اور تمہارے والد صاحب ہمارے دور میں ندوۃ العلماء کے ناظم تھے۔ اچھا تم اب جاؤ، میں تم سے پینالٹی وغیرہ کچھ نہیں لوں گا۔ اس طرح مولانا اپنے چھپے مضمون کی بدولت بچ گئے۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۱۲۰]

مولانا علی میاں ابتدائی دور سے ہی محمد حسین آزاد کی 'نیرنگ خیال' کی رعنائی اور مرصع نگاری سے متاثر تھے اور اس متاثر زدہ ذہن نے نیرنگ خیال، اور آب حیات کی تقلید میں قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ حالانکہ بعد میں مولانا علی میاں نے خود اپنی راہ الگ بنائی۔ مولانا کو شعور کے ابتدائی دور میں ہر چھپی چیز کو پڑھنے کا جنون تھا۔ مولانا نے اس دور میں مولوی نذیر احمد، مولوی عبدالحلیم شرر اور رتن ناتھ سرشار کی اردو ادب کی معیاری کتابیں پڑھتے۔ علامہ شبلی اور مولانا حالی کو بھی اچھے سے پڑھا۔ نیز مولانا ابوالکلام آزاد کے 'الہلال' کی فائلوں کو بڑے چاؤ اور ذوق سے پڑھا اور ان کے قلم سے مسحور ہوئے۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۹۵]

حالانکہ اردو مضمون نگاری میں مولانا نے ابتدائی اثر اپنے والد مولانا عبدالحئ حسنی کی کتاب 'یادِ ایام' سے لیا، نیز مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کی تحریریں بھی مولانا کو متاثر کرتی تھیں، لہٰذا ان دونوں حضرات کے طرز تحریر کے مطابق مولانا نے اپنا پہلا مضمون 'اندلس' پر لکھا تھا۔ نیز مولانا ایک کتاب سے بے حد متاثر ہوئے اور وہ کتاب تھی 'رحمۃ للعالمین' جس کے مصنف قاضی محمود سلمان منصور پوریؒ تھے، بقول مولانا علی میاں:

''اس کتاب کو بڑے ذوق وشوق اور عقیدت ومحویت سے پڑھا، کم کتابوں نے دل ودماغ پر ایسا گہرا اثر چھوڑا ہوگا۔ جتنا اس کتاب نے''۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۹۵-۹۶]

جیسا کہ پہلے گذرا کہ مولانا نے 'الہلال' کا مطالعہ کیا تھا، اسی طرح شہرہ آفاق اخبار 'زمیندار' کا بڑی دلجمعی اور دل بستگی سے مطالعہ کیا تھا، مولانا کو اس اخبار کا ہفتہ بھر انتظار رہتا اور وہ اس کے پہلے صفحہ پر چھپی نظم کو مزے لے لے کر پڑھتے۔ مولانا اس اخبار کو پڑھ کر اس کے مدیر مولانا ظفر علی خان کے شیدائی ہوگئے تھے جس کے نتیجہ میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مولانا ظفر علی خان اور ان کی تحریر کو لے کر مناظرہ اور مباحثہ کرتے۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۱۰۰-۱۰۱]

مئی یا جون ۱۹۲۹ء کی بات ہے کہ مولانا علی

میاں اپنے پھوپھا مولانا سید طلحہ حسنی سے ملنے لاہور گئے۔ لاہور اس وقت برصغیر کا سب سے اہم اور بڑا ادبی و ثقافتی اور صحافتی مرکز بنا ہوا تھا۔ لاہور سے درجنوں رسائل اور اخبار شائع ہوتے تھے۔ 'زمیندار' اخبار بھی جس کے مولانا علی میاں مداح تھے وہیں لاہور سے ہی نکلتا تھا۔ نیز 'نیرنگ خیال' وغیرہ جیسے ادبی رسالے بھی وہیں سے نکلتے تھے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ علامہ اقبال کا شہر تھا۔ خیر! بات مولانا کے پھوپھا مولانا طلحہ حسنی کی ہو رہی تھی کہ انھوں نے مولانا علی میاں کو لاہور کے ہر طبقہ کے اہل کمال و دانشوروں سے ملاقات کرائی۔ اس وقت مولانا علی میاں کی عمر تقریباً ۱۵-۱۶/ سال تھی۔ ان ملاقات میں ایک ملاقات مولانا کی معروف شاعر حفیظ جالندھری سے ہوئی اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک بھی ہوئے دکھانے سے فراغت کے پہلے یا بعد میں مولانا کی فرمائش پر انھوں نے بعض نظمیں سنائیں۔ اس سفر میں اردو ادب کی معروف شخصیت حافظ محمود شرانی سے ملاقات ہوئی جو شہرہ آفاق تصنیف 'پنجاب میں اردو' کے مصنف اور مشہور شاعر اختر شرانی کے والد ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ تاجور نجیب آبادی، پروفیسر شادان بلگرامی، عبدالرحمٰن چغتائی وغیرہ جیسی ممتاز ہستیوں سے ملاقات ہوئی۔

مولانا علی میاں نے جس وقت یہ لاہور کا سفر کیا، اس وقت وہاں کے ادبی حلقوں میں مولانا کے والد مولانا عبدالحئی کی کتاب 'گل رعنا' کا بڑا چرچا تھا۔ مولانا علی میاں کا تعارف لاہور میں اکثر جگہ 'گل رعنا' کے مصنف کے فرزند کے طور پر کرایا گیا۔ علامہ اقبال کے یہاں بھی یہی کہہ کر ملاقات کرائی گئی کہ یہ مصنف 'گل رعنا' کے فرزند ہیں اور انھوں نے آپ (علامہ اقبال) کی بعض نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۱۰۸]

جیسا کہ پچھے صفحوں میں مولانا کے پھوپھا مولانا طلحہ حسنی اور لاہور کے سفر کا تذکرہ ہوا، لاہور کے ہی ایک سفر میں مولانا نے دوبارہ اور آخری بار علامہ اقبال سے ملاقات کی جو کئی گھنٹے کی گفتگو کی گواہ رہی۔ حالانکہ دوران گفتگو علامہ اقبال کے خادم خاص علی بخش ان کی کمزوری اور تھکان کی بنا پر ان سے بار بار آرام کرنے کی گذارش کرتے مگر ڈاکٹر اقبال ٹال جاتے اور گفتگو میں مصروف ہوجاتے۔

[کاروانِ زندگی: ج۱/ص:۲۲۷]

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۵/ کا

یہ لوگ مسافر ہیں، اپنے گھروں سے مدت کے نکلے ہوئے ہیں، اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ لوگ حرام کاری میں مبتلا ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام کاری انتہائی مبغوض چیز ہے جس قوم میں یہ ہو، اس پر ضرور قہر و عذاب نازل ہوتا ہے، وہ فاتح و کامران نہیں ہوسکتی۔

بلعم کی یہ شیطانی چال انکی سمجھ میں آ گئی اس پر عمل کیا گیا، بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی اس چال کا شکار ہوگیا، حضرت موسیٰ نے اس کو اس و بال سے روکا مگر وہ باز نہ آیا، اور شیطانی چال میں مبتلا ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سخت قسم کا طاعون پھیلا جس سے ایک روز میں ستر ہزار اسرائیلی مرگئے، یہاں تک کہ جس شخص نے برا کام کیا تھا اس جوڑے کو بنی اسرائیل نے قتل کرکے منظر عام پر ٹانگ دیا کہ سب لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور توبہ کی، اس وقت یہ طاعون رفع ہوا۔

اب آپ حضرات یہ خود غور فرمائیں کہ بلعم بن باعورا کی حق گوئی سے انحراف کے نتیجے میں قوم جبارین بھی تباہ و برباد ہوگئی اور بنی اسرائیل کو بھی سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

حق گوئی سے انحراف کرنا انسان کو تباہی و بربادی کی طرف لے کر جاتا ہے اس سے انسان کی دنیا و آخرت تباہ ہوتی ہے۔ بلعم بن باعور کو اللہ کیسی عظیم صفت سے متصف کیا ہوا تھا لیکن بد بخت اس صفت کو نہ سنبھال سکا، اللہ نے اسے رہتی دنیا تک کے لیے نشان عبرت بنا دیا۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے جہاں بات حق و باطل کی ہو تو ہمیں حق کا ساتھ دینا ہوگا اور حق گوئی سے کام لینا ہوگا کیونکہ دینِ اسلام سچائی و دیانت داری پر مبنی ایک مذہب ہے، باطل کے سامنے حق کو بے باکی سے پیش کرنے کا پیغام دیتا ہے، اسی وجہ سے ہمیں حق کی زبان اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

موجودہ دور میں دانشمندی اور حق گوئی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ ایک عجیب قسم کے بھنور میں پھنس چکا ہے۔ لوگ دین اسلام جیسا امن و سکون والا مذہب اپنانے کے باوجود متشدد ہوگئے ہیں، آپسی مراسم بڑی تیزی سے ختم ہو رہے ہیں، اور ہر شخص اپنی انانیت کے سایہ میں اندھا ہوکر الٰہی فرامین کو خود ساختہ زیور تصور کرنے لگا ہے۔

لوگ ذرا سی نوک جھوک پر دانشمندی سے صلح کرنے کے بجائے مزید بڑھاوا دینے میں مصروف ہیں اور اب سماج سے معافی، چشم پوشی، حق گوئی اور ہوشمندی پوری طرح اٹھ گئی ہے، اگر آج بھی ہم حق بیانی اور صحیح ڈھنگ سے اسلام کی صداقت اور انسانیت پر مبنی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کریں تو بہت جلد غیروں میں بھی اسلام کے تئیں ایک مثبت فکر اور نیک خیالات پیدا ہوسکتے ہیں اور تیزی سے دین اسلام کی تشہیر ہوسکتی ہے جو اسلام کا مطالبہ اور موجودہ دور کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اللہ ہمیں حق گوئی اور حکمت و دانائی کی دولت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

یادِ رفتگاں

مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسارپوریؒ

فتح محمد ندوی

پاکیزہ صفات جماعت کی صحبت کتنی اہم اور ضروری ہے اور انسانی زندگی پر اس کے کتنے مثبت اور معنی خیز اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے خاندان میں سے ہونا ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔ [تفسیر ماجدی، سورہ مائدہ] مزید اہل اللہ اور اہل دل کی صحبت کی اس افادیت اور اہمیت کے پیش نظر مشائخ اور نیک لوگوں کا یہ خاص معمول رہا ہے کہ انہوں نے اس عظیم نعمت کے حصول کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاؤں کا اہتمام اور نذرانہ پیش کیا ہے۔ اس عظیم نعمت کے حوالے سے حقیقت اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس کی طلب کے لیے ہم سب کو دعاؤں کا معمول بنا لینا چاہیے۔

مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری کی تعلیم و تربیت ان اصحاب فکر و عمل اور اصلاح و ارشاد کے سایہ عاطفت میں ہوئی جو اپنے عہد کے سلطنت روح اور روحانیت کے روشن ستارے تھے۔ آپ کے والد محترم مولانا حکیم سید اسحاقؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ اور قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے اور آپ کے دادا محترم ڈاکٹر سید حسن دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے صحبت یافتہ۔ اسی طرح آپ کے جد امجد حضرت صوفی سید کرم حسینؒ، اور حضرت مولانا حکیم سید فیض الحسنؒ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان عصر آفریں شخصیتوں کے خون جگر اور چشمۂ فکر و خیال سے نسلوں کے چراغ روشن ہوئے، ان کی نور پاش ہدایتوں نے تاریک کے سینے کو تابناک اور منور کیا، بلکہ ان کے لالہ و گل کی مہک سے ایک زمانہ روشن اور مشک بار تھا۔ اس عہد کا یہ علم و عرفاں اور سلوک و احسان کا مہتاب اس گھرانے اور ماحول میں پیدا ہوا اور ان باتوفیق اور بافیض شخصیات کے ہم آغوش رہ کر آپ نے کسب فیض کیا اور انہیں کی نظر عنایت اور دامن شفقت میں آپ کے قلب و جگر کو روشنی عطا ہوئی۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کے مرحلے اپنے اسی قصبہ سنسار پور کے مشہور دینی مدرسہ 'فیض رحمانی' سے شروع ہوئے۔ یہاں سے آپ نے حفظ قرآن کریم اور والد محترم سے درس نظامی کے مطابق شرح جامی تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد عالم اسلام کی شہرت یافتہ عظیم روحانی اور علمی دانش گاہ جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور سے ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء سے فراغت حاصل کی۔

انسان علم و کمال میں کتنی ہی منزلیں طے کر لے بلکہ وفور علم کے مرحلوں سے گزر کر وہ آگے بھی کسی اور منزل کو پار کر جائے۔ یا وہ علم کے پہاڑ کی صورت میں ڈھل جائے۔ غرض علم کے حوالے سے وہ کیسا بھی معرکہ سر کر لے تاہم تعمیر انسانیت اور تہذیب اخلاق اور قلب کی صحت اور پاکیزگی بغیر کسی اہل دل کی صحبت اور ذکر کے حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیے صرف علم و کمال کا انقلابی تصور بغیر صحبت کے جلا نہیں پا سکتا۔ جس طرح قطرہ صدف کی گود میں گہر نایاب بنتا ہے اسی طرح قلب و نگاہ کی صحت اور تطہیر کے لیے بلکہ دین کی روح سے مکمل سناشائی بغیر کسی کامل انسان کی تربیت کے حاصل نہیں ہوتی۔ آپ نے اپنے نفس کی اصلاح اور تزکیہ قلب کے لیے اپنے اندر ایک بے چینی محسوس کی۔ ویسے سوز و مستی اور جذب و عشق سے آپ کی دنیا پہلے ہی آباد ہو چکی تھی۔ آپ کا گھر اولیائے کاملین کا مسکن اور سالکان معرفت کے لیے سکون خاطر اور سدا فروزاں مینار تھا۔ پھر بھی معرفت الٰہی کی پیاس اور دل میں عشق کی شورش اور محبت کا جو شعلہ تھا وہ آپ کو 'بزم عرفان وحدت' خانقاہ رائپور کھینچ لایا، جو یائے علم سے دانائے راہ کی طرف یہ آپ کا پہلا سفر تھا۔ یہاں قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کی صحبت اور تربیت نے بلکہ ان کے روشن دل اور نفس گرم نے حضرت مولانا سید مکرم حسینؒ کے قلب و جگر پر ایسا صور پھونکا جس کی حرارت اور گرمی سے آج بھی آپ کا باطن منور، قلب روشن اور روح کی کلیاں ان کی صحبت کی مہک اور خوشبو سے پوری توانائی کے ساتھ مہک رہی ہیں۔

یہاں آپ کے حوالے سے یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ جس طرح حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کی روحانی کہکشاں کے درخشاں موتی تھے۔ وہیں آپ کی موجودگی میں ہمارے لیے یہ اعزاز اور نیک بختی بھی کہ آپ نے صف اول کے ان مشائخ اور بزرگان دین کی صحبت اور مجلسوں سے براہ راست استفادہ کیا جن کے نقش پا سے تاریخ کا

حصہ جھلمل اور مہتاب کی طرح اپنی روشنی سے کاغذ کے سینے کو جگمگ کیے ہوئے تھا۔ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری وغیرہ اپنے عہد کے وہ گوہر آبدار اور علم وعمل کے وہ روشن ستارے ہیں جن کے وجود سے قرن اول کی یادیں زندہ اور تابندہ تھیں۔ آپ نے اپنے لاشعوری ایام سے اپنے گھر میں ان کے ورود مسعود سے اپنے مشام جاں کو معطر اور ان کے احوال وآثار اور سیرت وکردار کے ذکر کی خوشبو سے اپنی سماعتوں کو محظوظ کیا ہے۔ یہ وہ تمام نابغہ روزگار اور قدسی صفات جماعت تھیں جو بالواسطہ آپ کے آبا واجداد کی شرف صحبتوں اور توجہ کا مرکز بلکہ آپ کا گھرانہ اس جماعت صالحین کی فدائی اور جاں نثار تھیں۔

آپ نے میخانہ رحیمیہ کی شراب طہور سے اپنے قلب ونگاہ اور فکر وشعور کی صفائی اور صحت کے بعد اپنے خاندانی پیشے طب سے وابستہ ہوگئے تھے۔ طب کے حوالے سے بڑے بڑے حاذق ترین اطباء آپ کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ جن کی حذاقت کا ایک زمانہ معترف اور مداح تھا۔ تاہم طب کے اس معزز پیشے سے آپ کا مقصد اور مشن پیسہ کمانا نہیں تھا بلکہ خدمت کا وہ جذبہ تھا جو آپ کو اپنے خاندان سے وراثت میں عطا ہوا تھا۔ آپ کے مطب پر ہر وقت انسانوں کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ آپ کا دست شفاء مریض کی روحانی اور جسمانی تشخیص میں طاق تھا۔ صرف مریض کے ہاتھ سے تمام ظاہری اور باطنی احوال اور آثار منکشف ہوجاتے۔ کتنے ہی مایوس اور لاعلاج روحانی اور جسمانی مریض بفضل اللہ صحت یاب ہوکر زندگی کی بہاریں لوٹ رہے ہیں۔

مدتوں آپ لوگوں کو اپنے مطب سے جس طرح جسمانی امراض کی دوا دیتے رہے وہیں روح کے مریضوں کو دوائے دل بھی بانٹتے رہے۔ افسردہ دلوں میں عشق الٰہی اور محبت کی گرمی پیدا کرتے رہے۔ عشق کے اس میخانہ سے کتنے ہی مضمحل قویٰ اور زنگ آلود دلوں میں حرکت ونشاط لوٹ آئی۔ دین کی روح سے شناسائی حاصل ہوئی۔ آداب طریقت معلوم ہوئے۔ عشق حقیقی، جذب وسرمستی سوز وتپش کی وہ بیش بہا دولت عطا ہوئی جو انسان کو صفت احسان کے بلند مرتبہ پہنچادیتی ہے۔

اپنے مطب ہی سے آپ نے اصلاح اور تزکیہ قلوب بلکہ اپنے مرشد کی تعلیمات کو عام کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حصول معرفت کے ذوق شناسوں کو قلبی سکون آپ کی بزم سے حاصل ہونے لگا، ایک روز اچانک آپ کو خواب میں اپنے مرشد کی زیارت ہوئی جس میں خانقاہ کے قیام کی نوید اور بشارت کی طرف اشارہ تھا، دو مرتبہ آپ کو خواب میں اپنے شیخ کی طرف سے یہ مسرت آگیں مژدہ سنایا گیا۔ اس مسلسل خوش خبری کے بعد آپ نے باضابطہ خانقاہ 'قادریہ شفائیہ' کے قیام کو عمل میں لاکر بزم محبت الٰہی اور عشق رسول سجائی۔

باطن کی صفائی اور تزکیہ موجب نجات ہے۔ اس کی کدورت اور گندگی موجب ہلاکت اور بربادی کا سودا ہے۔ آپ کے یہاں سب سے پہلے سالک کی اصلاح اور تزکیہ کا آغاز نفس کی اصلاح سے شروع ہوتا۔ کیوں کہ نفس ہی انسانی برائیوں محور اور مرکز بلکہ سرچشمہ ہے۔ انسان کی تمام فلاح اور صلاح کا مدار اور نقطہ آغاز نفس کشی اور نفس کی مخالفت میں مضمر ہے کیوں کہ نفس ہی سے تمام برائیاں جنم لیتی ہیں اور نفس ہی کی چاہت اور اسی کی خواہش کی تکمیل کی خاطر انسان گناہوں کی دلدل میں پھنس تا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ جھوٹ بولنا، حرام خوری کرنا، زنا اور قتل وغارت گیری کرنا، بدنظری اور بدنگاہی کا مرتکب ہونا ظلم اور فساد پھیلانا وغیرہ اور اسی طرح دوسری برائیاں اور جرائم نفس کی پیروی کی خاطر انجام دیتا ہے۔ غرض انسان کے اندر بدی کا محور نفس ہی ہے۔ اگر انسان کو نفس کی معرفت ہوجائے اور ساتھ ہی جسمانی اور نفسانی خواہشات کا زور کم ہوجائے تو روح اور روحانیت کے اندر قوت پرواز اور نورانیت پیدا ہوجاتی ہے۔

میں نے کبھی آپ کو کسی سے سخت لہجے میں بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہر منفی بات کو اپنے حسن عمل سے نظر انداز کرنا اور اس منفی خیال کو مثبت پیکر میں ڈھالنا آپ کی زندگی کا خوبصورت نشان تھا۔ میں نے خود ان لوگوں پر حضرت کی دامن شفقت کو وسیع ہوتے ہوئے دیکھا ہے جو نہ صرف آپ کے بدخواہ تھے بلکہ انہوں نے حضرت کو ہر طرح سے تکلیف پہچانے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

آپ بزم رحیمیہ خانقاہ رائپور کی شبستان نور کی آخری کرن تھے۔ علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبد القادر رائپوری کی اداؤں کو اپنے اندر اس طرح جذب کرلیا تھا کہ آپ اس عہد میں اپنے شیخ کی روحانی کہکشاں اور ان کے گلشن کے مہکتے پھول اور چمک دار موتی بھی تھے اور ساتھ ہی ان کا یادگار نمونہ بھی۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: طلاق شرع اسلامی میں کیا گناہ کی چیز اور قابل نفرت عمل ہے؟ اگر ایسا ہے تو ایسی بیوی جس کا کردار مشکوک ہو اور اس کے قرائن بھی موجود ہوں تو کیا اس کو طلاق دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: شرع اسلامی میں طلاق بنیادی طور پر ناپسندیدہ عمل ہے، مجبوری میں اس کی اجازت دی گئی ہے، اگر بیوی کا کردار مشکوک ہو اور اس پر قرائن بھی موجود ہوں تو ایسی صورت میں شوہر کے لیے ایسی عورت کو طلاق دینے کی گنجائش ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ زوجیت میں رکھ کر اس کی اصلاح کی جائے، وعظ ونصیحت اور مختلف انداز سے اس کو نیک بیوی بنانے کی کوشش کی جائے لیکن اگر یہ کوششیں رائیگاں ہوجائیں تو طلاق دینا مباح ہے، حدیث نبویؐ میں اس کی صراحت موجود ہے: "لاتطلق النساء إلا من ریبة".

[مجمع الزوائد: ج۴/ص۲۳۵]

سوال: اگر بیوی کے مشکوک کردار پر واضح قرینہ موجود نہ ہو تو کیا محض شک کی بنیاد پر طلاق دی جاسکتی ہے؟

جواب: بیوی پر شک ہو لیکن واضح قرینہ موجود نہ ہو تو محض شک کی بنیاد پر طلاق دینا گناہ ہے، اس صورت میں اگر شوہر بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق تو واقع ہوجائے گی لیکن بلاسبب عورت اور اس کے گھر والوں کو پریشانی میں ڈالنے کی وجہ سے شوہر گنہگار ہوگا۔

[الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج۹/ص۶۸۷۹]

سوال: محرمات سے بچنے اور فرائض وواجبات کی پابندی کرنے میں بیوی اگر شوہر کی اطاعت نہ کرے اور شوہر کی باتوں کو پوری طرح نظر انداز کرے تو ایسی صورت میں کیا طلاق دی جاسکتی ہے؟

جواب: فرائض وواجبات کی ادائیگی میں بیوی لاپرواہ ہو اور محرمات سے نہ بچتی ہو اور اس بارے میں شوہر کی ہدایات پر بھی عمل نہ کرتی ہو بلکہ مسلسل نظر انداز کرتی ہو تو شوہر کو حق حاصل ہے کہ ایسی بیوی کو طلاق دیدے، فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت اگر فسق وگناہ کی عادی ہو تو شوہر پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) واجب ہے، اس کے باجود اگر عورت دین پر عمل پیرا نہ ہو تو شوہر کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے۔

[الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج۹/ص۶۸]

سوال: اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت کرے اور شوہر کے بار بار منع کرنے کے باوجود محض معیار زندگی کو بلند کرنے کے لیے ملازمت کرے تو کیا ایسی عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے؟

جواب: نان ونفقہ کی پوری ذمہ داری اگر شوہر ادا کررہا ہو اس کے باوجود محض معیار زندگی کو بلند کرنے کے لیے بیوی ملازمت کررہی ہو اور اس کے لیے شوہر کی اجازت نہ ہو اور شوہر کے منع کرنے کی بھی پرواہ نہ کرتی ہو تو ایسی عورت کو طلاق دینا مباح ہے، کیوں کہ ملازمت کے لیے عورت کو گھر سے باہر جانے کی ضرورت پڑے گی جس کے لیے شوہر راضی نہیں ہے اور اس سے شوہر کے حقوق پامال ہوں گے جو شرع میں گناہ ہے، اس کے پیش نظر طلاق کی اجازت ہوگی۔ [حوالہ سابق]

سوال: اگر عورت کی شکل وصورت بہتر نہ ہو یا اسے بہتر پکوان کا سلیقہ نہ ہو جس کی وجہ سے وہ شوہر کی نگاہ میں پسندیدہ نہ ہو اور شوہر طلاق دینا چاہتا ہو تو کیا شرع اسلامی میں ایسی عورت کو طلاق دینے کی اجازت ہے؟

جواب: بیوی کی شکل وصورت بہتر نہ ہو یا اسے بہتر پکوان کا سلیقہ نہ ہو تو اس بنا پر طلاق دینا ممنوع اور مبغوض ہے، کیونکہ اس صورت میں طلاق دینے سے عورت کو ضرر لاحق ہوگا، جسے ازراہِ شرع روکا جائے گا، بیوی کی طرف سے ناروا سلوک ہو یا اس کی شکل وصورت پسندیدہ نہ ہو تب بھی شوہر کو صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے ایسے موقع پر حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے، فرمان خداوندی ہے:

"وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسىٰ أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً" [سورہ نساء:۱۹] (اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی گزارو، پس اگر وہ تمہیں ناپسند ہو تو ممکن ہے کہ تجس چیز کو ناپسند کرتے ہو اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھی ہو)۔

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: بدصورتی یا بداخلاقی کی وجہ سے بیوی ناپسند ہو جبکہ بیوی برائی یا نافرمانی میں مبتلا نہ ہو تو صبر وتحمل سے کام لو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں خیر پیدا کردے مثلاً نیک اولاد پیدا کردے۔

[احکام القرآن: ج۵/ص۸۳]

محض بدصورتی کو طلاق کے لیے وجہ جواز نہیں بنانا چاہیے، اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے: "عورتوں سے ان کے حسن کی بنا پر نکاح نہ کرو ممکن ہے کہ ان کا حسن ان کو تباہی میں نہ ڈال دے اور نہ ان کے مال کی وجہ سے نکاح کرو، ہوسکتا ہے کہ مال ان کو سرکشی پر آمادہ نہ کردے بلکہ نکاح کروان کی دینداری کی وجہ سے، ناک کان چھدی کالی کلوٹی باندی جو دیندار ہو کہیں بہتر ہوگی"۔

[ابن ماجہ: ج۱/ص۵۹۷]

یہ اور اس قسم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محض حسن وجمال اور مال ومتاع کی وجہ سے نکاح نہیں کرنا چاہیے بلکہ دینداری کو وجہ انتخاب بنانا چاہیے اور محض بدصورتی اور بدسلیقگی کو طلاق دینے کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے، ورنہ سوائے نقصان اور گناہ کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہ تعالیٰ

تاریخ ۱۰/ اگست ۲۰۲۲ء

Date 10th August 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلّہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹/ فیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ -/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 7275265518

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in